اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا
(النساء ۱۰۴)

تعلیمی نصاب

(اکتوبر 2024 تا ستمبر 2025)

لجنہ اماء اللہ بیلجئیم

عہد لجنہ اماء اللہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

میں اقرار کرتی ہوں کہ اپنے مذہب اور قوم کی خاطر اپنی جان، مال، وقت اور اولاد کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہوں گی۔ اور سچائی پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔ اور خلافت احمدیہ کو قائم رکھنے کے لیے ہر قربانی کے لئے تیار رہوں گی۔ انشاء اللہ

Nederlands:

Ik verklaar plechtig dat ik altijd bereid zal zijn, mijn leven, bezit, tijd en kinderen op te offeren voor de zaak van het geloof en de natie. Ik zal altijd getrouw blijven aan de waarheid en zal altijd klaarstaan om iedere opoffering te verrichten voor het behoud van het Ahmadiyya khilafat, Insha,Allah

Français:

Je déclare que je serais toujours prête à tout moment à sacrifier ma vie, mes biens, mon temps et mes enfants pour la cause de la foi et de la nation . Je m’attacherai toujours à la vérité. Je m’ engagerai à tout sacrifier pour maintenir le système de la Khilafate au sein de la Djamaat Ahmadiyya, Insha,Allah.

German :

Ich versichere feierlich, dass ich immer bereit sein werde, mein Leben, meinen Besitz, meine Zeit und meine Kinder in jedem Fall für meinen Glauben und mein Land zu opfern. Ich werde immer bei der Wahrheit bleiben und bereit sein, jedes Opfer für die Bewahrung und Erhaltung des Ahmadiyya Khalifats zu erbringen. Insha-Allah.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیاری لجنہ ممبرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ بخیریت ہوں گی اور خدمت دین میں مصروف ہوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ہماری نسلوں کو اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائے اور مقبول خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں: **"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبّت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رُو سے سب کا مُنہ بند کر دیں گے۔"** (تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20، ص409)

شعبہ تعلیم کا بنیادی مقصد لجنہ ممبرز کو دینی تعلیم کے حُصول کے لئے ترغیب دِلانا ہے۔ ممبرات لجنہ اماء اللہ کی ذمّہ داری نہ صرف اپنی روحانی حالتوں کو بہتر بنانے کی ہے بلکہ آئندہ نسلوں کی تربیت اور اصلاح کا کام بھی ہمارے سپرد ہے اور یہ کام دینی علم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ نصاب تیار کیا گیا ہے۔ یہ نصاب بہت محنت، لگن اور محبت سے تیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے ہم اس سے بھرپور استفادہ کرنے والی ہوں۔ آمین

یہ نصاب نیشنل صدر لجنہ اماء اللہ کی زیرِ نگرانی تیار کیا گیا ہے، نصاب شعبہ تعلیم کی ٹیم ممبرز (عطیہ جبین صاحبہ، ثمینہ قدوس صاحبہ، مبارکہ یوسف صاحبہ، مبشرہ شکیل صاحبہ) کی مدد و تعاون سے تیار کیا گیا ہے۔ معاونت کرنے والی بہنوں کے نام بغرض دعا درج کیے ہیں ان سب کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

تدریجی نصاب ناصرات سے لجنہ میں آنے والی تمام بچیوں کو مکمل سکھایا جائے۔ تدریجی نصاب سے ہر ماہ ہوم ورک دیا جائے، کلاس کے موقع پر دھرائی کروائی جائے اور سنا جائے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

قانتہ حسین

نیشنل سیکرٹری تعلیم لجنہ اماء اللہ بیلجیئم

فہرست

تفسیر سورۃ النباء-------------------------------2

احادیث نبویؐ-------------------------------22

دعائیں-------------------------------26

قصیدہ-------------------------------34

تاریخ اسلام-------------------------------36

تدریسِ نماز (بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

حقیقۃ الوحی-------------------------------انفرادی مطالعہ

شرائط بیعت اور احمدی کی ذمہ داریاں--------------اجتماعی مطالعہ

پہلی سہ ماہی(اکتوبر،نومبر،دسمبر)

حفظِ قرآن	سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ
ترجمۃ وتفسیر سُوْرَۃُ النّبَاِ	آیت نمبر1 تا14
احادیث نبویؐ	زکوۃ اور اُسکی اہمیت حج اور اُسکی اہمیت نماز اور اُسکی شرائط
اَدْعِیَۃ الْقُرْاٰن	قرآنی دعائیں
قصیدہ مع اردو ترجمہ	1 تا5اشعار
تاریخ اسلام	تعمیر کعبہ
تدریسِ نماز (بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)	صفحہ نمبر1 تا20

دوسری سہ ماہی(فروری،مارچ،اپریل)

حفظِ قرآن	سُوْرَۃُ الْبَلَدِ
ترجمۃ وتفسیر سُوْرَۃُ النّبَاِ	آیت نمبر15 تا28
احادیث نبویؐ	ہدیہ، مصافحہ،ھبہ کی اہمیت، دولت اور شکر نعمت احسان کاشکریہ(حدیث نمبر5،6)
حفظِ اَدْعِیَۃ	مسنون دعائیں
قصیدہ مع اردو ترجمہ	6 تا10 اشعار
تاریخ اسلام	پنجگانہ نماز کا فرض ہونا
تدریسِ نماز (بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)	صفحہ نمبر21 تا40

تیسری سہ ماہی(جون،جولائی،اگست)

حفظِ قرآن	سُوْرَۃُ الَّیْلِ
ترجمۃ وتفسیر سُوْرَۃُ النّبَاِ	آیت نمبر29 تا41
احادیث نبویؐ	نماز اور اسکی شرائط، عیسٰی ابن مریم یعنی مسیح موعُود اور مہدی معہود علیہ السلام کا ظہور
حفظِ اَدْعِیَۃ	دعائیں(تیسری سہ ماہی)
قصیدہ مع اردو ترجمہ	11 تا15اشعار
تاریخ اسلام	تحویل قبلہ
تدریسِ نماز (بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)	صفحہ نمبر41 تا60

نوٹ: ہر سہ ماہی کے اختتام پر امتحانی پرچہ حل کرنے کے لئے ایک ماہ مختص کیا گیا ہے۔

تفسیر سُوۡرَۃُ النَّبَاِ

خلاصہ سورۃ

یہ سُوۡرَۃُ النَّبَاِ کہلاتی ہے کیونکہ اس میں ایک نباء عظیم کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں بعث بعد الموت، قرآن کریم یا غلبۂ اسلام کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا پہلی سورتوں کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں یوم فصل کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یقیناً فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت پر آنے والا ہے۔ سُوۡرَۃ النَّبَاِ اور سُوۡرَۃ المُرسلٰت دونوں کا باہمی تعلق یوم فصل کے ذریعہ سے ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس سورۃ کے خلاصہ کے ضمن میں فرماتے ہیں یوم الفصل کی مختلف صورتیں اس عظیم سورت میں بیان کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے اس نظام کا ذکر دہرایا گیا ہے۔ جو آسمان سے پانی برساتا اور زمین سے غذا نکالتا ہے۔ پھر متوجہ کیا گیا ہے کہ اس سے بنی نوع انسان فائدہ نہیں اٹھاتے اور یہ نہیں سوچتے کہ اصل آسمانی پانی تو روحانی ہدایت کا پانی ہے۔ اس انکار کے نتیجہ میں ان پر جو آفات ٹوٹتی ہیں یا ٹوٹیں گی ان کا اس سورت میں ذکر ملتا ہے۔ اس سورت کے آخر میں ایک انتباہ فرمایا گیا ہے کہ اگر بنی نوع انسان نے اسی طرح غافلانہ حالت میں زندگی گزار دی تو انجام کار وہ بڑے درد سے اس حسرت کا اظہار کرے گا کہ کاش میں اس سے پہلے ہی مٹی ہو جاتا اور مٹی سے انسان کی صورت میں اٹھایا نہ جاتا۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تفسیر کبیر)

پہلی سہ ماہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲﴾

ترجمہ۔ وہ کس کے بارہ میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟

تفسیر۔ التَّساءُلُ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے سوال پوچھنا۔ سوال مختلف وجوہ کی بناء پر کئے جاتے ہیں۔ کبھی سوال زیادتی علم کے لیے ہوتا ہے۔ یا کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں تو وہ دوسرے سے پوچھتا ہے فلاں لفظ کے کیا معنی ہیں۔ یا پھر سوال امتحان کے لیے ہوتا ہے یعنی سوال کرنے والا جانتا تو ہے کہ جس لفظ کے متعلق وہ پوچھ رہا ہے اس کے کیا معنی ہیں مگر وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آیا دوسرے کو بھی وہ معنے معلوم ہیں یا نہیں۔ لیکن کبھی سوال اظہار تعجّب کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں بھی درحقیقت مخفی معنی تعجّب کے ہیں گو یہاں تفخیم کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ جیسے بعض دفعہ سوال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے تم جانتے

ہو میں کون ہوں۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میری جو شان اور عظمت ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو۔

قرآن کریم چونکہ خدا کا کلام ہے اس لئے یہاں نہ تو یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا جانتا نہیں۔ نہ دوسرے معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا کو شک ہو کہ میرا مخاطب جانتا ہے یا نہیں۔ پس تیسرے معنی جو خدا کے متعلق چسپاں ہو سکتے ہیں اور وہی معنی اس جگہ لئے جائیں گے۔

پس عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ ہمیں تعّجب ہے کہ بغیر کافی غور و فکر کے یہ لوگ ایک ایسے امر کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ جس کے حقائق ظاہر ہیں۔ گویا ایک طرف تو اس سوال میں مسئلہ بڑائی پر زور ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اس کے حقائق بالکل ظاہر ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے ان کی عقل پر اظہار تعجب کیا گیا ہے کہ باوجود اس مسئلہ کے دلائل موجود ہونے کے پھر بھی شبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۳﴾

ترجمہ۔ ایک بہت بڑی خبر کے بارہ میں۔

تفسیر۔ پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ یہ لوگ آپس میں کس بارے میں سوال کر رہے ہیں اب اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک عظیم الشان نباء کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہاں نَبَا کی حیثیت اور شان والی جو خبریں ہیں اُن میں سے یہ عظیم الشان خبر ہے گویا بڑی خبروں میں سے بڑی اور عظیم خبروں میں سے عظیم ہے نَبَا اپنے اندر ایک عظمت اور شان رکھتی ہے۔ تو اُس کے ساتھ عظیم کا لفظ بتاتا ہے کہ بڑیوں میں سے بڑی اور عظیموں میں سے عظیم اور شانداروں میں سے شاندار خبر۔

بعض نے اس جگہ نباء سے مراد قرآن کریم اور بعض نے بعث بعد الموت اور غلبہ ٔ اسلام لیا ہے۔

اگر ہم نبأ عظیم کے معنی قرآن کے لیں اور پھر ساتھ ہی بعث بعد الموت اور غلبہ ٔ اسلام کے بھی تو یہ کوئی شبہ والی بات نہیں ہو گی بلکہ تینوں معنے آپس میں لازم و ملزوم ہوں گے۔ نبأ عظیم کا لفظ اس موقعہ پر ان تینوں معنوں پر ہی استعمال ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد کی جو زندگی ہے وہ بھی ایسی خبر ہے جو بڑی خبروں کی سر تاج ہے۔ یہ کہنا کہ ایک زمانہ میں ساری دنیا زندہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو گی۔ پس نبأ عظیم کا لفظ قیامت کے بالکل مطابق ہے۔ اسی طرح نبأ کا لفظ قرآن کریم پر چسپاں ہو جاتا ہے اس لئے قرآن دعویٰ کرتا ہے کہ میں ساری خوبیوں کا جامع ہوں بلکہ گذشتہ تمام انبیاء کی کتابیں میرے اندر جمع ہیں۔ اسی طرح غلبہ ٔ اسلام بھی ایک ایسی چیز ہے جو تمام انبیاء کے غلبوں میں سے عظیم الشان رنگ رکھتی ہے اور درحقیقت یہ غلبہ ایسا ہے جس نے تمام انبیاء کے غلبوں کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔ جس جس رنگ میں پہلے انبیاء کو غلبہ ملا اُن میں سے ہر رنگ میں رسول کریم ﷺ کو غلبہ حاصل ہوا بلکہ اُن سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید آپ ﷺ کے شامل حال رہی۔

آپ ﷺ کا جو غلبہ تھا یعنی غلبہ ٔ اسلام وہ بھی عظیم تھا کیونکہ یہ غلبہ پہلے انبیاء کے غلبوں کے مقابلہ میں نہایت ہی شاندار تھا۔

اور جو آپ کی کتاب تھی وہ بھی نباء عظیم ہے کیونکہ وہ گذشتہ تمام الہامی کتابوں سے بہت زیادہ شاندار تھی اور قیامت بھی نبأ عظیم ہے کیونکہ وہ اور تمام خبروں سے بہت زیادہ شان اور عظمت اپنے اندر رکھتی ہے۔

الَّذِیۡ هُمۡ فِیۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴﴾

ترجمہ۔ (یہ) وہی (خبر) ہے جس کے متعلق وہ آپس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

تفسیر۔ بعض لوگ اس موقع پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں نباء عظیم سے مراد قرآن اور بعث بعد الموت نہیں ہے۔ کیونکہ کفّار قرآن اور بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ سب کے سب کفّار بعث بعد الموت کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ اُن میں اس بارہ میں اختلاف تھا گو وہ اس بعث کی شکل اور سمجھتے ہوں۔ قرآن کریم کے متعلق بھی ان کو اختلاف تھا۔ بعض اس کا نام سحر رکھتے تھے بعض اُسے کذب کہتے تھے اور بعض اُس کا نام اساطیر الاوّلین رکھتے تھے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انہیں قرآن کریم کے متعلق اختلاف تھا۔ تیسرا پہلو غلبۂ اسلام ہے جب ہم غلبۂ اسلام کے معنی لیں تو اس آیت کا مفہوم ہو گا کہ ان لوگوں کی حالتیں مختلف وقتوں میں مختلف ہوں گی گویا اس صورت میں اختلاف یا تو عوام الناس اور اُن کے علماء میں سمجھا جائے گا یا پھر علماء کا آپس میں اختلاف مراد لیا جائے گا۔

ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ مومن اور کافر آپس میں اختلاف رکھتے ہیں اور مومنوں اور کافروں کا یہ اختلاف بھی تین چیزوں کے متعلق سمجھا جائے گا۔ بعث بعد الموت کے متعلق، غلبۂ قرآن کے متعلق اور غلبۂ اسلام کے متعلق۔ یعنی بعث بعد الموت کے متعلق مومن کچھ کہتے ہیں اور کافر کچھ اور کہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے متعلق مومن کچھ کہتے ہیں اور کافر کچھ اور اور غلبۂ اسلام کے متعلق بھی مومنوں کا کچھ قول ہے اور کافروں کا کچھ قول ہے۔

کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾

ترجمہ۔ خبردار! وہ ضرور جان لیں گے۔ پھر خبردار! وہ ضرور جان لیں گے

تفسیر۔ سَیَعۡلَمُوۡنَ وہ ضرور جان لیں گے۔ یعنی قیامت کے دن ان کے یہ خیالات بالکل غلط ثابت ہوں گے اور اُن پر واضح ہو جائے گا کہ وہ کیسی کھلی غلطی میں مبتلا رہے۔ اور قرآن کریم کا مطلب لیتے ہوئے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک دن آئے گا جب قرآن کریم کی صداقت اُن پر کھل جائے گی۔ غلبۂ اسلام پر جب ان آیات کو چسپاں کیا جائے تو مفہوم یہ ہو گا کہ آخر اسلام کی مخالفت کر کے انہوں نے کیسا غلط طریق اختیار کیا تھا۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ﴿۷﴾

ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟

تفسیر۔ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا کے معنی یہ ہوں گے کہ کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا جیسے فراش ہوا کرتا ہے۔ فراش پر انسان آرام کرتا ہے جس سے اس کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کو تمہارے لئے ایسا ہی بنایا ہے

کہ تم اس میں ہر قسم کا آرام پاتے ہو اور تمہارے لیے ہر قسم کی سہولتیں اور راحت کا سامان موجود ہے۔ فرماتا ہے کہ تم زمین کی اس حالت پر غور کرو اور سوچو کہ کیا واقع میں ہم نے زمین کو تمہارے لئے ایسا بنایا ہے یا نہیں؟

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۸﴾

ترجمہ۔ اور پہاڑوں کو پیوستہ میخوں کی طرح؟

تفسیر۔ علوم موجودہ کی رُو سے مسلّم ہے کہ جِبَال کی وجہ سے ہی زلازل کا آنا بند ہوا۔ علوم موجودہ کا فیصلہ ہے کہ ہماری زمین کے نیچے بہت بڑی آگ ہے۔ جب زمین کا چھلکا ابھی پتلا تھا اور جب بھی اس گرمی میں جوش پیدا ہوتا تھا تو زمین میں سے لاوا نکلنا شروع ہو جاتا تھا۔ جب وہ لاوا ٹھنڈا ہو جاتا تو پہاڑی کی صورت قائم ہو جاتا پھر اور لاوا نکلتا اور وہ بھی ٹھنڈا ہو کر پہاڑی بن جاتا۔ اس طرح لاوا زمین کے نیچے سے نکلتا چلا گیا اور ٹھنڈا ہو کر بڑے بڑے پہاڑوں کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ جب زمین کا جوش کافی حد تک نکل گیا تو زمین کا چھلکا موٹا ہو گیا اور زمین آبادی کے قابل ہوئی۔ پس **جِبَال** زمین کی حرکتِ مضرہ کو روکنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ پہاڑوں کی وجہ سے زمین کی حرکتِ مضرہ بند ہوئی اور زلازل کا کثرت کے ساتھ آنا دُور ہوا۔ اسی طرح پہاڑ لوگوں کے لیے سہارے کا بھی موجب ہیں۔ پہاڑوں پر جب برف پڑتی ہے تو لوگوں کے لئے بڑے بڑے فوائد کا موجب ہوتی ہے۔ جب برف پگھلتی ہے تو زمین میں نالے بہہ نکلتے ہیں۔ دریا جاری ہوتے ہیں اُن دریاؤں سے نہریں نکالی جاتی ہیں۔ اس طرح تمام ملک سیر اب ہوتا ہے۔ گویا پہاڑ ان دونوں اغراض کو پورا کرتے ہیں وہ زمین کی حرکاتِ مضرہ کو بھی روکتے ہیں اور پہاڑوں سے جو پانی میسر آتا ہے وہ ملکوں کی سیر ابی اور بنی نوع انسان کے کام آتا ہے۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۹﴾

ترجمہ۔ اور تمہیں ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا۔

تفسیر۔ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ہم نے تمہیں زوج بنایا۔ زوج کے معنی جوڑے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ نر کو بھی زوج کہتے ہیں اور مادہ کو بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہیں نر اور مادّہ بنایا جس کی وجہ سے تمہاری نسل چلتی ہے۔ اور زمین میں انسان کی ضرورت کی تمام اشیاء کا عظیم الشان سلسلہ جاری کیا اور دوسری طرف تمہارے نسل قائم کرنے کے لیے تمہیں ازواج یعنی نر اور مادّہ بنا دیا۔

خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا کا ایک مفہوم یہ ہو گا کہ ہم نے تمہیں مختلف اقسام میں پیدا کیا۔ اگر سب طبائع یکساں ہوتیں تو دنیا ایک سی حالت میں چلی جاتی اور اُس میں کسی قسم کی ترقی نہ ہوتی۔ مگر ہم نے انسانی دماغ کو اتنا متنوّع بنایا کہ ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے مطابق راستہ اختیار کرتا ہے کوئی دین میں مشغول ہے اور کوئی دنیا میں اور کوئی علم الاخلاق میں ترقی کر رہا ہے وغیرہ۔ چونکہ انسان کو اپنی ذات سے اُس کے مقام کا علم نہیں اس لئے وہ مختلف جہات سے اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا اپنا کلام نازل کر کے اس مقصد کو ظاہر کر دیتا ہے۔ مختلف الطبائع انسانوں کا مختلف جہات کی طرف اپنے مقصد کے حصول

کے لئے دوڑنا یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کے سامنے کوئی بہت بڑا مقصد ہے اور جس کے حصول کے لیے اُس نے کوشش کرنی ہے۔ پس انسانی فطرت کی یہ کشمکش ایک طرف کلام الٰہی کی ضرورت، دوسری طرف بعث بعد الموت اور تیسری طرف کلام الٰہی کے نزول کے بعد غلبہ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر کلام الٰہی کا غلبہ نہ ہوتا تو پھر اس کے نزول کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ زمین جس پر انسان بستا ہے اس میں بے انتہا اشیاء اور قوتیں پیدا کر کے اور پہاڑوں کے ذریعہ سے خوردونوش اور سائنٹفک ترقیات کے سامانوں کو مستقل رنگ دے کر اور انسانوں کو اس صورت میں پیدا کر کے کہ وہ مختلف مزاجوں کے مطابق زمین کی مختلف قابلیتوں کو ترقی دیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں اور پھر انسان کو بھی مردوزن بنا کر اور ایک مستقل قائم رہنے والے وجود کی شکل دے کر اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان غیر محدود ترقیات کے لئے اور دائمی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ بات ثابت ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ اس دنیا میں فنا ہونے والے انسان کے لئے کسی اور دنیا میں دائمی زندگی کا سامان مہیا ہونا چاہیے۔ اور اس دائمی زندگی کے لیے کوئی ہدایت نامہ اور اس ہدایت نامہ پر چلنے والوں کے لیے کامیابی کی ضمانت بھی ہونی چاہیے ورنہ کارخانۂ عالم بیکار ثابت ہو گا۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ۔ اور تمہاری نیند کو ہم نے موجبِ تسکین بنایا۔

تفسیر۔ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو سُبَات بنایا یعنی اگر کوئی شخص کہے کہ اسلام کے ذریعہ کفر پر ایک نئے غلبہ کی کیا ضرورت ہے؟ تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا کہ کیا زندگی میں تم دیکھتے نہیں کہ ایک جاگنے کا وقت ہوتا ہے ایک سونے کا۔ اسی طرح قوموں میں بھی بیداری اور نیند کا تسلسل چلا جاتا ہے۔ تاکہ نئی قوتیں لے کر انسان اُٹھے اور کفر کو شکست دینے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اس طرح جب لوگ ایک لمبے عرصے تک کوشش کر کے تھک جاتے ہیں اور ان کی رغبتیں دنیا میں محدود ہو جاتی ہیں اور وہ دین سے بے رغبتی کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اُن کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ خرابیوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ایک نیا فضل نازل کرتا اور لوگوں کو ہدایت کے لئے ایک نئے رُوحانی سورج کا طلوع کرتا ہے۔

اس آیت میں نَوْمَ کا لفظ مذکور ہے اس لیے سُبَاتًا سے مراد نیند تو نہیں ہو سکتی۔ جو اس کے معروف معنی ہیں۔ پس لازماً کوئی اور معنی ہوں گے اور وہ معنی یہی ہیں کہ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ رَاحَةً ہم نے تمہاری نیند کو ایک راحت کا ذریعہ بنایا ہے۔ **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا** کے معنی **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ دَهراً** کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی تمہاری نیند کے زمانہ کو ایک لمبا زمانہ بنایا ہے۔ اس صورت میں نیند سے مراد وہ زمانہ ہو گا جب روحانی سورج کا طلوع نہیں ہوتا اور قوم غفلت کی حالت میں سو رہی ہوتی ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ جب کوئی قوم سوتی ہے تو پھر ایک لمبے عرصہ تک سوتی چلی جاتی ہے۔

وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ۔ اور رات کو ہم نے ایک لباس بنایا۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ہم نے رات کو لباس بنایا ہے یعنی سونے کا عام وقت رات کا ہوتا ہے۔ اور رات میں سونے والوں کے جسمانی عیوب ڈھک جاتے ہیں۔ اگر انسان عام طور پر دن کو سوتا تو اُس کے عیب ظاہر ہو جاتے لیکن چونکہ وہ رات کے اندھیرے میں سوتا ہے اس لئے اُس کے سوتے وقت کے عیوب پتہ نہیں چلتے اور رات اُن پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسی طرح روحانی لَیْل بھی ایک لباس ہوتی ہے۔ کیونکہ رات اُسی کو کہتے ہیں جب سارے لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ جس طرح جسمانی لَیْل لباس کا کام دیتی ہے اسی طرح روحانی لَیْل بھی لباس کا کام دیتی ہے۔ کیونکہ ساری قوم مُردہ ہوتی ہے کوئی شخص کسی دوسرے کے عیب نہیں دیکھ سکتا۔ جیسے اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں ہر شخص شرک میں مبتلا تھا اور کوئی شخص کسی دوسرے کے نقص کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جب نبی آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے روحانی سورج کا طلوع کر دیتا ہے تو پھر لوگوں کو ایک دوسرے کے نقائص نظر آتے ہیں۔ کیونکہ پہلے اُن پر روحانی لَیْل چھائی ہوتی ہے۔ اُن کو رات کی تاریکی کی وجہ سے نقائص نظر نہیں آتے۔ اور بڑے سے بڑا آدمی بھی اُن کے خلاف نفرت کا اظہار نہیں کرتا۔ مگر جب نبی کا زمانہ آتا ہے تو پھر لوگ شرمانے لگتے ہیں اور کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ بھی بُری بات ہے اور وہ بھی بُری بات ہے۔

وَجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ۔ اور دن کو ہم نے معاش کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔

تفسیر۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ جس طرح دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح قوموں پر بھی بعض دفعہ تاریکی کا دور آجاتا ہے اور وہ تاریکی کا دور اُن کے لیے ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نہار کے بعد لیل کی ظلمت دنیا پر چھا جاتی ہے۔

اس سورۃ میں تین مضامین کا ذکر ہو رہا ہے قیامت، غلبۂ قرآن اور غلبۂ اسلام۔ پس اگر یہاں بعث بعد الموت مراد ہو تو وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے رات کو تمہارے نقائص دور کرنے کے لیے پیدا کیا۔ تمہاری روح میں قابلیت نہیں تھی کہ وہ دن سے فائدہ اٹھاتی بلکہ ضروری تھا کہ رات آتی۔ تاکہ دن سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس میں طاقتیں پیدا ہوں۔ یہی تمہارا روحانی حال ہے۔ کہ تم اس جہان میں رہ کر اپنے اندر نئی طاقتیں پیدا کرو جن سے تمہیں اگلے جہان میں رؤیت الٰہی نصیب ہو۔ اگر قرآن یا غلبۂ اسلام مراد لیں تو معنی یہ ہوں گے تمہاری قوم سو رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ لَیل میں تمہارے اندر نئی قوتیں پیدا کر رہا تھا۔ خدا کا کلام اُس وقت نازل ہوتا ہے جب قوم مردہ ہو چکی ہوتی ہے۔ تاکہ اس کلام کے ذریعے اس میں نئی طاقتیں لے کر کھڑی ہو جائے اور دنیا پر غالب آجائے۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان عام طور پر راحت و آرام کے سامانوں میں اپنی زندگی بسر کرنا ہی

عیش سمجھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ عیش نہیں بلکہ ایک نیند ہے جو تم پر مسلّط ہوتی ہے۔ عیش کا زمانہ صرف نبی کا زمانہ ہوتا ہے جب حقیقی کام کا وقت ہوتا ہے۔ اور حقیقی عزت حاصل کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ جس چیز کو تم تکلیف سمجھتے ہو وہ کام کا زمانہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عیش کا زمانہ وہ زمانہ جب انسانی طاقتیں متحرک ہوں اور اس کے لئے لیل کا وقت نہیں بلکہ نہار کا وقت مقرر ہے۔ اور در حقیقت وہی عیش کا زمانہ ہوتا ہے جب ہر قوم میں قربانی کی روح پائی جاتی ہے۔ جب قوم کے تمام افراد میں بیداری نظر آتی ہو۔ جب اس کے ہر فرد میں یہ احساس پایا جاتا ہو کہ جان کو قربان کر دینا اور مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لُٹا دینا ہی کلید کامیابی ہے، کیونکہ زندگی حرکت کا نام ہے سکون کا نہیں۔ جس کو تم عیش کہتے ہو وہ سکون ہے اور سکون تباہی کی علامت ہے۔ تم سکون والی زندگی کو عیش قرار دیتے ہو وہ عیش نہیں بلکہ نیند ہے جو تم پر طاری ہوتی ہے۔ گویا ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایک غلطی کا ازالہ کیا کہ عیش نام ہے حرکت کا جیسے انسان دن میں حرکت کرتا ہے۔ مگر تم عدم حرکت کا نام عیش رکھتے ہو حالانکہ وہ عیش نہیں بلکہ تمہارے حواس کا بُطلان ہے۔

وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ۔ اور ہم نے تمہارے اُوپر سات بہت مضبوط آسمان بنائے۔

تفسیر۔ یہ سات کیا چیز ہیں؟ قرآن کریم کے لیے چونکہ سات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہاں بھی سات سے مراد سات آسمان ہی ہوں گے۔ اور وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا کے معنی ہوں گے کہ ہم نے تمہارے اوپر سات جسمانی اور مادی بلندیاں پیدا کی ہیں جو بڑی قوی ہیں یعنی اُن میں کوئی تزلزل واقعہ نہیں ہوتا۔ ایک مضبوط قانون ان میں چلا جاتا ہے جو کسی حالت میں بھی نہیں ٹوٹتا اور اس وجہ سے نظام عالم میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا۔ ہم نے تمہارے اوپر جو سات بلندیاں پیدا کی ہیں وہ یک رنگ بھی ہیں، وہ قائم رہنے والی بھی ہیں اور اپنی ذات میں رفعت بھی رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سَبۡعًا شِدَادًا کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نظام سماوی کی یہ تین خصوصیات اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہیں کہ دنیا کی پیدائش کا کوئی بہت بڑا مقصد ہے۔ تم غور کرو اور سوچو کیا یہ تمام انتظام ایک ایسی دنیا کی ایسی مخلوق کے لئے کیا جا سکتا تھا جس کی پیدائش کا کوئی مقصد نہ ہوتا اور جس نے کچھ عرصہ کے بعد فنا ہو کر مٹی ہو جانا تھا۔ یہ انتظام خود اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی پیدائش کا کوئی بہت بڑا مقصد اور مدعا ہے۔ گویا اس رنگ میں نظام سماوی کو اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وسیع اور پُر حکمت نظام جاری کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی پیدائش کسی بہت بڑے مقصد اور مدعا کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ اگر یہاں قرآن مجید مراد لیا جائے تو تم غور کرو کہ کھانے پینے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے حصول کی عظیم الشان تڑپ تمہارے دلوں میں رکھی گئی ہے۔ کہ تم نیکی میں ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ درجہ کے روحانی مدارج حاصل کرو۔ ان مدارج کو حاصل کرنے کے اللہ تعالیٰ نے سامان بھی پیدا فرما دیئے۔ اس صورت میں سَبۡعًا شِدَادًا سے مراد وہ سات روحانی مدارج ہوں گے جن کا ذکر سورۂ مومنون میں ہے کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب

مومن ترقی کرتے کرتے ان ساتوں بلندیوں کو طے کرلیتا ہے۔

وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ۔ اور ہم نے ایک تیز چمکتا ہوا چراغ بنایا۔

تفسیر۔ جہاں تک سِرَاجًا وَّہَّاجًا کا تعلق ہے اس میں تو میں سمجھتا ہوں قیامت کی طرف اس رنگ میں اشارہ ہے کہ ایک چیز جو اپنی ذات میں چل رہی ہے وہ آخر ایک وقت میں ختم ہو جائے گی اور جب وہ ختم ہو جائے گی تو نظام شمسی میں ضرور کوئی تبدیلی واقع ہو گی۔

اگر رسول کریم ﷺ کے غلبہ یا قرآن کریم کے غلبہ کے مفہوم کو لیں تو میرے نزدیک اس میں ایک مخفی اشارہ ہجرت کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں کفّار مکّہ کو توجہ دلاتا ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو **سراجا وھاجا** بنایا ہے ایک وہ تم سے دور چلا جائے گا۔ مگر پھر بھی تم اس کی گرمی سے نہیں بچ سکو گے۔ اور اس کی روشنی تم میں سے سعید روحوں کی تاریکی کو دور کرتی رہے گی۔ اگر تم قرآن مراد لو تو یہ معنی ہوں گے ایک قرآن کا مرکز تم سے دور ہو جائے گا۔ مگر پھر بھی قرآن کی تعلیم کا اثر تم تک پہنچے گا۔ انبیاء کے زمانے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے کہ انہیں تبلیغ کرنے اور دوسروں تک اپنی باتیں پہنچانے کے سوا چین نہیں آتا۔ خواہ ان کی کتنی ہی مخالفت کی جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا** ہم نے ایک ایسا سورج بنایا ہے جس کی گرمی اور روشنی دور دور تک جاتی ہے۔

دوسرے رسول کریم ﷺ کی عالمگیر تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح سورج کا نور ساری دنیا پر پھیل جاتا ہے اسی طرح محمد ﷺ کی تعلیم ایک دن ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ تیسرا دور تک گرمی اور روشنی کے پھیلنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح سورج قیامت تک مادی دنیا کی ضروتوں کو پورا کرتا رہے گا۔ رسول کریم ﷺ کا افاضہ رُوحانی بھی دنیا کے اختتام تک چلتا چلا جائیگا۔

دوسری سہ ماہی

وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ۔ اور ہم نے لبریز بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔

تفسیر۔ مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے سورج اور پھر بادلوں کا ذکر کیا کہ ان دونوں چیزوں سے مل کر زمین تیار ہوتی ہے۔معصرت سے پانی برستا ہے جس سے زمین کی روئیدگی ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور رسول کریم ﷺ کی طرف اس رنگ میں اشارہ ہے کہ تمہیں قرآن اور رسول کی باتیں بری لگتی ہیں۔ فرماتا ہے بے شک محمد ﷺ کی وجہ سے تم ایک بے چینی اور تکلیف محسوس کر رہے ہو مگر یہی گرمی، تپش اور روشنی تمہاری راحت اور آرام کا موجب ہو گی۔ اسی طرح وَہَج سے تمہارے

دلوں میں علم و عرفان کے وہ سوتے پھوٹ پڑیں گے جن کا پانی ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا** اس شمس روحانی کی گرمی سے تمہارے دل کی زمینیں تیار ہوں گی پھر اسی گرمی کے نتیجہ میں وہاں سے ایسے بخارات اٹھنے شروع ہوں گے جو بادلوں کی صورت اختیار کر لیں گے اور پھر وہی بادل تمہارے دلوں کی زمین پر برسیں گے اور ان کا پانی ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۶﴾ وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۷﴾

__ترجمہ__۔ تاکہ ہم اُس سے اناج اور نباتات اُگائیں ۔ اور گھنے باغات۔

__تفسیر__۔ پانی جب آسمان سے اترتا ہے تو اس کے بعد **لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا** کا وقت آجاتا ہے۔ یعنی اس بارش کے نتائج پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ سورج لوگوں کے لیے رحمت اور برکت کا سامان پیدا کرتا ہے اور بارش سے بڑے بڑے باغ نکلتے ہیں اور انسانی زندگی کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب مہیا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ چیزوں کے فوائد دیرپا نہیں ہوتے اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے فوائد دیرپا ہوتے ہیں۔ اور زیادہ عرصہ تک انسان کے کام آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم غور کرو اور سوچو کہ کیا یہ سارا سلسلہ لغو اور فضول ہے؟ تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ کارخانۂ عالم کی پیدائش لغو اور فضول نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کوئی نہ کوئی اہم غرض ہے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ جاری کیا ہے۔ اگر ہم ان آیات کو روحانی معنوں میں لیں تو اس کے یہ معنی بنیں گے کہ رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید دونوں **سِرَاجٌ وَهَّاجٌ** ہیں۔ ان کی گرمی، تپش اور تیز روشنی آج تمہیں بری لگتی ہے مگر ایک دن یہی گرمی، تپش اور روشنی تمہارے دل کے چھپے ہوئے گند دور کرنے کے لئے بادلوں اور روشنی کا کام دے گی۔ اسی طرح تمہارے پاس جو کلام الٰہی کا پانی پہلے سے موجود ہے وہ ایسا ہے جو گدلا ہو چکا ہے۔ جس کا استعمال تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ بے شک تمہارے پاس موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کی تعلیم موجود ہے۔ لیکن ان سب تعلیموں کا پانی گدلا ہو چکا ہے۔ اب یہ سِرَاجٌ وَهَّاجٌ جس کی گرمی اور تپش اور تیز روشنی تمہیں بُری معلوم ہو رہی ہے۔

کلام الٰہی کا وہ پانی جس کو آج تم ردّ کر رہے ہو ایک دن تمہارے دلوں سے خود بخود پھوٹنے لگے گا اور ایک عالم کو سیراب کرے گا۔ اور تمہیں کچھ قریب کے فوائد حاصل ہوں گے اور کچھ بعید کے۔ یا کچھ ایسے علوم ظاہر ہوں گے جو عارف لوگوں کے کام آئیں گے۔ جیسے علم تصوّف یا علم قرآن اور کچھ ایسے علوم ظاہر ہوں گے جو عوام النّاس کے کام آئیں گے۔

وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا اور ایسے باغ بھی نکلیں گے جو مدتوں تک کام دیں گے جیسے علم تحریر میں مسلمانوں نے بڑی ترقی کی اور اسے دنیا میں انہوں نے پھیلا دیا۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۸﴾

__ترجمہ__۔ یقیناً فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ یَوْمَ الْفَصْلِ سے مراد قیامت بھی ہے اور قرآن کریم یا رسول کریم ﷺ کے غلبہ کا ظہور بھی مراد ہے۔ درحقیقت دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یَوْمَ الْفَصْلِ کا ایک دن مقرر ہے۔ گویا کفّار کو بتایا گیا ہے کہ ایک دن ایسا آئیگا جب نہ صرف مسلمانوں کو تم پر غلبہ حاصل ہو جائے گا بلکہ اس غلبہ کے ساتھ تم مکّہ سے نکال دیئے جاؤ گے۔

اگر ہم غلبۂ اسلام مراد لیں تو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفّار کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ جس طرح محمد ﷺ کو تمہارے ظلموں کی وجہ سے تم سے جُدا ہونا پڑا اسی طرح ایک دن محمد ﷺ کو غلبہ دے کر تم کو بھی جُدا کر دے گا اور وہ دن تمہارے لیے یَوْمَ الْفَصْلِ ہو گا۔ یعنی وہ موعود دن جب تمہیں اپنے گھروں اور وطن سے جُدا ہونا پڑے گا، یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے جب مسلمان غالب آجائیں گے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ۔ جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور تم فوج در فوج آؤ گے۔

تفسیر۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور تم فوج در فوج آؤ گے۔ فوج در فوج اور گروہ در گروہ لوگوں کے آنے کی خبر اُس وقت پوری ہوئی جب مکّہ فتح ہوا۔ بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد سارے عرب میں ہلچل مچ گئی تھی اور فتح مکّہ کی جنگ درحقیقت اسی ہلچل کا نتیجہ تھی۔ کیونکہ عربوں میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اب اُن کے لیے دو ہی صورتیں ہیں یا تو محمد ﷺ کے ساتھ مل جائیں تو بچ سکتے ہیں یا مکّہ والوں کے ساتھ رہ کر بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی خیال کے زیر اثر کچھ قبائل رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل گئے اور کچھ قبائل کفّار کے ساتھ مل گئے۔ گویا یَوْمَ الْفَصْلِ کی بنیاد صلح حدیبیہ نے رکھ دی تھی۔

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا پس وہ کئی دروازوں والا ہو جائے گا۔

تفسیر۔ اور آسمان کھولا جائے گا اور دروازے بند کئے جائیں گے۔ ان معنوں کے لحاظ سے یہ مراد ہے کہ آسمان سے کفّار پر عذاب نازل ہو گا اور مومنوں پر اُس کی رحمت کی بارش برسے گی۔ گویا آسمان ابواب ابواب ہو جائے گا کچھ دروازے ایسے ہوں گے جن سے خیر نازل ہو گی اور کچھ سے عذاب نازل ہو گا۔ پہلے بھی مسلمانوں پر خیر نازل ہو رہی تھی مگر وہ ایسے تھی جیسے چھید میں سے کوئی چیز گرائی جاتی ہو۔ مگر صلح حدیبیہ کے بعد یہ خیر ایسے نازل ہوئی جیسے بڑے بڑے دروازوں میں سے کوئی چیز گرتی ہے۔ اس طرح کفّار پر کثرت سے عذاب آنے شروع ہو گئے۔ گویا آسمان سے رحمت کے سامان نازل ہونا شروع ہو گئے اور ساتھ ہی عذاب کے سامان بھی نازل ہونا شروع ہو گئے۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے اور وہ نشیب کی طرف متحرک ہو جائیں گے۔

تفسیر۔ جبال کے معنی سردارانِ قوم کے بھی ہوتے ہیں۔ پس سیرت الجبال کے معنی ہوئے کہ بڑے بڑے صنادید عرب اور وہ بڑے بڑے سردار جن پر اہل عرب کو ناز ہے گھروں سے نکالے جائیں گے۔ اور وہ سراب کی طرح ہو جائیں گے۔ یعنی ثابت ہو جائے گا کہ اُن میں سے کوئی ایسا لیڈر نہیں جو قوم کی صحیح رہنمائی کرنے والا ہو۔ بلکہ سب لیڈر محمد ﷺ کے مقابلہ میں ناکام رہیں گے۔ سرابا کا لفظ اس جگہ رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ کہ سراب نصف النہار میں نظر آیا کرتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کا سورج نصف النہار تک پہنچے گا۔ اور اُس کی چمک لوگوں کو خیرہ کر دے گی۔ اُس وقت اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ رسول کریم ﷺ کے مقابلے میں اُن کے لیڈر کیسے ناکام ہیں۔ فتح مکّہ کے بعد ان پر ثابت ہو جائے گا کہ ان کے سارے لیڈر محمد ﷺ کے مقابلہ میں اک سراب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ قوم کو تباہ کرنے والے اور اُسے ذلّت کے گڑھوں میں گرانے والے ہیں۔ اُس کو ترقی تک پہنچانے کی اُن کی کوئی قابلیت نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۲﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ۔ یقیناً دوزخ گھات میں ہے۔ سرکشوں کے لئے لَوٹ کر جانے کی جگہ۔

تفسیر۔ قتادہ کہتے ہیں جہنم گھات میں رہتی ہے سے مراد یہ ہے جو اُس کے اوپر سے گذرتا ہے اگر اُس کے پاس جواز کا پروانہ نہ ہو تو اُسے گذرنے دیتی ہے ورنہ اُسے گرادیتی ہے۔ لیکن اگر اس سے وہی جہنم مراد لیا جائے جو اگلے جہان میں ہو گا۔ تو کہنا پڑے گا اس کا سلسلہ اس دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ گویا شیطانی تحریکیں دنیا میں اس قدر ہیں کہ انسان اگر ذرا بھی غافل ہو تو وہ نفس پر غالب آجاتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ یہ سرکشوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور ایک دوسری جگہ یہ فرمایا کہ شیطان کو مومنوں اور خدا پر توکل رکھنے والوں پر غلبہ نہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔

لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا میں اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شیطان کو کفّار پر ہی غلبہ ملتا ہے مومنوں پر اسے غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ غرض جہنم کو راستہ قرار دیا جائے یا گھات دونوں صورتوں میں اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تک انسان اپنے لئے جہنم یعنی تکلیف کا راستہ قبول نہ کرے خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر گناہ کر چکا تو پھر بطور سزا کے اس تکلیف کے راستہ پر ایک عرصہ تک چلنا پڑتا ہے خواہ اس دنیا میں یا اگلے جہان۔ اس کے بعد ہی لقاء الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ۔ وہ اس میں صدیوں (تک) رہنے والے ہوں گے۔

تفسیر۔ اس آیت کا جہاں تک غلبۂ اسلام سے تعلق ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ مسلمانوں کا غلبہ تین سو سال سے زیادہ ایک ہزار سال تک رہے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ درمیان میں عارضی طور پر ترکوں کی ایک رَو آئی جس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا مگر وہ بھی کچھ عرصہ بعد مسلمان ہو کر دب گئے اور اسلام کو ہی غلبۂ حاصل رہا۔ اس صورت میں یہی نہیں کہ اسلام کی ترقی اور کفر کی بربادی کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسلام کو جو غلبہ حاصل ہو گا وہ

ایک ہزار سال تک چلتا چلا جائے گا۔ ایک ہزار سال کے غلبہ کے بعد کفر پھر سر اٹھائے گا اور مسلمانوں کا تنزّل شروع ہو جائے گا۔ چونکہ ہر مضمون کے لحاظ سے آیتوں کے معنی کئے جاتے ہیں اس لئے اسلام اور غلبہؑ کے لحاظ سے اس کے یہی معنی ہوں گے لیکن جب ہم ان آیات کو عذاب دوزخ کے متعلق قرار دیں گے تو اس صورت میں حُقُب سے مراد زمانہ ہے اور اَحۡقَابً سے مراد بہت لمبا زمانہ ہے۔

لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا ۝٢٥ اِلَّا حَمِيۡمًا وَّغَسَّاقًا ۝٢٦ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝٢٧

ترجمہ۔ نہ وہ اُس میں کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے نہ کوئی مشروب۔ سوائے ایک کھولتے ہوئے پانی اور زخموں کی بدبودار دھوؤن کے۔ یہ ایک مناسب حال جزا ہے۔

تفسیر۔ یہاں شَرَابًا کے ساتھ بَرۡدًا کا بھی ذکر آتا ہے اور بَرۡدًا کے معنی نیند اور راحت کے بھی ہوتے ہیں۔

جہاں تک قیامت کا تعلق ہے لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا کے معنی ظاہری بھی کئے جاسکتے ہیں کہ وہاں اُن کے لیے کوئی راحت کا سامان نہ ہوگا اور نہ انہیں پینے کے لئے کوئی چیز ملے گی۔ سوائے گرم پانی اور غساق کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دوزخیوں کو جو پانی ملے گا وہ سخت گرم ہوگا۔ اس طرح انہیں زخموں کا دھوون یا اس کی پیپ دی جائے گی۔ یا سخت بدبودار اور سڑا ہوا پانی ملے گا۔ یا اتنا ٹھنڈا پانی دیا جائے گا کہ ان کے دانت گرنے لگیں گے۔

یعنی یہ جزاء ہے جو ان کے مناسب حال ہے۔ چونکہ دنیا میں میانہ روی ان کے اندر نہیں تھی اس لئے اگلے جہان میں بھی انہیں ایسی چیزیں ہی ملیں گی جو حد درجہ گرم ہوں گی یا حد درجہ سرد ہوں گی۔ اسلام اور کفر کے اخلاق میں بھی یہی فرق ہے کہ اسلام میں میانہ روی کی تعلیم ہے اور اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں میانہ روی کی تعلیم نہیں پائی جاتی۔ قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے متعلق اگر ان آیتوں کو لیا جائے تو پھر ان سے روحانی معنی مراد ہوں گے۔ یعنی اسلام کے دشمنوں کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوگی۔ ان کے دلوں کو چین نصیب نہیں ہوگا۔ کبھی وہ اسلام کے مقابلہ میں بالکل مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے اور کبھی پاگلوں کی طرح اٹھ اٹھ کر حملہ کرنا شروع کر دیں گے۔ یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں جو انسان کو کامیابی سے دور کر دیتی ہیں۔

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا ۝٢٨

ترجمہ۔ وہ ہرگز کسی حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے۔

تفسیر۔ آخرت کے لحاظ سے اس کے معنی ہوں گے کہ بعث بعد الموت پر ان کو یقین نہیں تھا۔ اس لیے ایسے کام بھی نہیں کرتے تھے جو ان کو اگلی زندگی میں فائدہ پہنچانے والے ہوتے۔ اُن کے کاموں کی اصل غرض دنیوی حالات ہوا کرتے تھے۔ صحیح محرک ان کے دل میں نہیں تھا اس لئے وہ نیکی کو نہیں پاسکتے تھے۔ درحقیقت انسانی اعمال میں دو وجوہ سے ہی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ کہ بد اعمال کی سزا کا ڈر نہیں ہوتا یا نیک اعمال کی جزاء کا اسے یقین نہیں ہوتا۔ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا میں یہ دونوں باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ دنیوی زندگی کے متعلق اس آیت کو سمجھا جائے تب بھی یہ دونوں معنے چسپاں ہوتے ہیں، یعنی

قرآن مجید اور محمد ﷺ سے انہوں نے تعلق پیدا نہیں کیا تھا اور اس لئے وہ مغضوب بن گئے۔ انہیں اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ بدیوں کی سزا ملے گی اور نہ اس بات کی امید کہ نیک اعمال کا اچھا بدلہ ملے گا۔ اس وجہ سے نماز، روزہ اور دوسری اسلامی قیود کی طرف اُن کا دل مائل نہیں ہوتا تھا۔

اسلام کے مقابلہ کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں سخت بُغض اور کینہ ہو گا۔ وہ پوری کوشش کریں گے کہ اسلام مٹ جائے اور وہ کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کریں گے مگر ساتھ ہی لَا یَرۡجُوۡنَ حِسَابًا وہ کامیابی کی پوری امید نہیں رکھیں گے۔ اُن کے دلوں میں مایوسی پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ خیال کریں گے کہ اب کفر کو فتح حاصل نہیں ہو گی۔ اور جس شخص کے اندر مایوسی پیدا ہو جائے اس کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ پاگلوں کی طرح حملہ کرتا ہے یا پھر مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

تیسری سہ ماہی

وَّکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ۔ اور اُنہوں نے ہماری آیات کو سختی سے جھٹلا دیا تھا۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ہمارے نشانوں کو سخت جھٹلایا کرتے تھے یعنی نشانوں کے جھٹلانے کی وجہ سے ایمان لانے کی طرف اُن کو کوئی توجہ نہ تھی۔ وَّکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا اگر شروع زمانہ کے کافروں کے متعلق سمجھا جائے تو اس لحاظ سے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ چونکہ یہ لوگ ہماری ان پیشگوئیوں کو، کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو گا اور قیامت آئے گی نہیں مانتے تھے۔ اس لئے گمراہ ہو گئے۔ قیامت پر یہ معنے اس طرح چسپاں ہو سکتے ہیں کہ چونکہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ اس لئے اُن کی یہ حالت ہوئی اور اگر کلام الٰہی یا رسول کریم ﷺ مراد لئے جائیں تو پھر یہ مطلب بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اُن نشانات کو نہ مانتے تھے جو رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ اسی طرح آیات سے مراد کلام الٰہی بھی ہو سکتا ہے۔ پس وَکَذَّبُوۡ بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا کا مطلب یہ ہو گا کہ چونکہ کلام الٰہی سے اُن کی فطرت کا جوڑ نہیں اس لئے وہ اس کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں۔

وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ کِتٰبًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ۔ اور ہر چیز کو ہم نے ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کر رکھا ہے۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ کی جگہ میں محفوظ کر رکھا ہے یعنی ایسی جگہ جہاں سے وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی انسانی عمل ایسا نہیں جو ضائع ہو جاتا ہو بلکہ وہ ضرور کسی نہ کسی شکل میں محفوظ ہے۔ ریڈیو کی ایجاد نے اس صداقت کا بہت بڑا ثبوت مہیا کر دیا ہے۔ ہزاروں میل پر ایک شخص اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالتا ہے تو فوراً ہم تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم گھر بیٹھے ہزاروں میل دُور کی آواز سن لیتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ کوئی تعجب نہیں اگر یہ علوم ترقی کرتے کرتے اس حالت کو پہنچ جائیں کہ گزشتہ زمانہ کی آواز کو ریکارڈ کیا جاسکے۔ اگر کوئی ایسا آلہ نکل آئے تو ہو سکتا ہے تو ہم

رسول کریم ﷺ کی وہ حدیثیں جو آج ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں خود رسول کریم ﷺ کی آواز میں سُن لیں۔ ممکن ہے آئندہ چل کر کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے اور گزشتہ زمانوں کی آوازیں کنٹرول میں لائی جاسکیں۔ اس صورت میں ہمیں گذشتہ زمانہ کی آوازیں آسانی سے سُنائی دینے لگیں گی۔ ہم جس صدی کے جس سال کی کوئی بات سننا چاہیں۔ اُس صدی کے اس سال پر اُس آلہ کو نصب کر دیں گے اور آوازوں کو سننا شروع کر دیں گے۔ کاش دنیا اس ترقی سے صداقت کی طرف آئے۔

فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِيۡدَكُمۡ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ۔ تو چکھو۔ پس ہم ہر گز تمہیں عذاب کے سوا کسی اور چیز میں نہیں بڑھائیں گے۔

تفسیر۔ اس آیت میں اسلام کے غلبہ کا ذکر ہے۔ تمہاری کوششیں بیکار چلی جائیں گی۔ جب تم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اٹھو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ ان کی نجات نہیں ہو گی۔ بلکہ وہ عذاب میں ترقی کرتے چلے جائیں گی۔ مگر اس کا علاج بھی خدا نے بتا دیا کہ جب انہیں عذاب کی عادت ہو جائے گی تو ان کو نئی جلو دے دی جائے گی۔

دنیوی لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ مسلمان روز بروز ترقی کرتے چلے جائیں گے اور جوں جوں وہ ترقی کریں گے۔ کفّار و مشرکین ان کے مقابلہ میں روز بروز دبتے چلے جائیں گے۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ۔ یقیناً متقیوں کے لئے ایک بہت بڑی کامیابی (مقدر) ہے۔

تفسیر۔ اس سورۃ میں غلبہ ٔ اسلام اور قرآن کریم کے غلبہ کا ذکر ہے۔ پس جب مسلمان انتہائی تکلیف میں اپنی زندگی گزار رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ مومنوں کے لئے مکروہات سے نجات حاصل کرنے کے سامان پیدا ہو جائیں گے اور ان کو ایسی جگہیں عنایت ہوں گی جو مقام نجات اور مقام کامیابی کہلانے کی مستحق ہوں گی۔ یعنی وہ تکلیف دہ باتیں جو آج پیدا ہو رہی ہیں ان کو مٹا دے گا۔ اور وہ جگہیں ان کو حاصل ہوں گی جہاں کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حبشہ کو مفاز بنایا اور مسلمان وہاں ہجرت کر گئے۔ اور خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے نشان ظاہر ہوئے۔ دشمن نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو یہاں بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے کفّار کو ان کی کوششوں میں ناکام کیا۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا میں جو پیشگوئی کی گئی تھی کہ متقیوں کو ہم کامیاب و بامراد کریں گے۔ یہ معنی بھی مدینہ منورہ میں پورے ہوئے۔ صرف مدینہ ہی نہیں بلکہ سارا عرب اور پھر ساری وسطی دنیا اس پیشگوئی کی صداقت کا نشان ہے۔ کہ کس طرح یہ لوگ بامراد ہوئے۔ جو طاقت مسلمانوں سے ٹکرائی وہ ذلیل ہوئی۔ اس آیت میں گو ہجرت اولیٰ کی بھی پیشگوئی تھی مگر زیادہ وضاحت اور شان سے ہجرت ثانیہ کی پیشگوئی تھی۔ یہ پیشگوئی کہ مسلمانوں کو وہ مقام ملے گا جو ان کی کامیابیوں اور فتوحات کا مرکز ہو گا۔ پہلے وہ انہیں مکروہات سے نجات دلائے گا پھر ان کو کامیابیوں اور فتوحات سے حصّہ دے گا۔ اس پیشگوئی کا نظارہ مدینہ منورہ

سے بڑھ کر اور کہیں نظر نہیں آسکتا۔ جو اسلام کا اور ساری کامیابیوں کا مرکز بنا جب مسلمانوں کے لیے سر چھپانے کی جگہ تک نہ تھی۔

حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ۔ باغات ہیں اور انگوروں کی بیلیں۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس پیشگوئی کے مطابق مسلمانوں کو جو مقام ملنے والا ہے اس میں حَدَآئِقَ اور اَعۡنَاب ہوں گے۔ حدائق کہہ کر بتایا ان کا اپنا علاقہ ہو گا جس پر ان کا مکمل قبضہ ہو گا۔ اور ان کی حکومت نہایت منظم اور سرحدیں مضبوط ہوں گی۔

اس کے ایک معنی یہ ہوں گے کہ مومن اپنے اعمال کی حدبندی کرتا ہے کہ وہ حلال اور حرام میں امتیاز کرتا ہے۔ چونکہ متقی کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ حلال اور حرام میں تمیز کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا نام جو وہ مومنوں کو دے گا حَدَآئِقَ رکھ دیا یعنی جس طرح اس نے خدا کی رضا کے لیے حلال اور حرام میں فرق کیا اسی طرح خدا مومن اور غیر مومن میں امتیاز کرے گا۔ اور اُسے انعام کے طور پر حَدَآئِقَ عطا فرمائے گا۔ اسی نسبت سے سچا تقویٰ بھی انسان کے لیے غذا اور پھل کا کام دیتا ہے۔ اور نشہ محبت الٰہی بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کا نام اَعۡنَاب رکھ دیا۔ کیونکہ اتقاء میں یہ ساری شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک طرف وہ مومن کی روحانی غذا ہوتا ہے جس سے وہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہے دوسرا جسے سچا تقویٰ حاصل ہو جائے وہ ایک لمبے زمانہ تک دنیا میں نیک تبدیلی پیدا کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ تقویٰ انسان میں ایک مستی پیدا کر دیتا ہے یہ مستی کی ہی علامت ہے کہ نہ اچھی بات کی خواہش رہے اور نہ بری بات کا ڈر۔ ایک ہی غرض سامنے رہے کہ میرا محبوب مجھ سے راضی ہو جائے۔ غرض اعنابا کا ذکر اسی لحاظ سے کیا ہے۔ پس قرآن کریم نے اسے خاص طور پر مثال کے لیے چنا ہے۔ یہ بتانے کے لیے کہ ایمان کی بھی یہی مثال ہوتی ہے کہ وہ بشاشت، لذت اور طاقت بھی بخشتا ہے۔ اسی طرح یہ تینوں چیزیں تقویٰ میں بھی پائی جاتی ہے۔ تقویٰ اور ایمان کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جاتا ہے۔

وَّکَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ۔ اور ہم عُمر دوشیزائیں۔

تفسیر۔ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کسی قوم میں کام کی حقیقی روح تب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایک حد تک اُن میں خیالات کا، جوش کا اور ہمت کا توازن ہو۔ بڑی کامیابی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ قوم کا عام معیارِ اخلاق ایک ہو۔ پس کَوَاعِبَ اَتۡرَابًا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی برکتیں دے گا۔ کہ جب وہ مقام فاز میں پہنچیں گے تو ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہو گی کہ ان کی عورتوں کا دینی معیار اونچا ہو گا۔ اور پھر وہ میعار میں ایک دوسری کے

برابر ہوں گی۔ سب میں جوش، جوانی اور بلندی پائی جائے گی۔ اَتْرَاب میں اس طرف اشارہ ہے اُن کی ترقی قومی ترقی ہوگی انفرادی نہیں۔

کَوَاعِب کا لفظ ذاتی جوانی اور اَتْرَاب کا لفظ قومی جوانی پر دلالت کرتا ہے۔ اَتْرَاب کا لفظ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہاں روحانی معنی مراد ہیں اور یہ لفظ دنیا سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہی قوم ترقی کر سکتی ہے جس کی ساری عورتوں کا دینی معیار بلند ہو۔ وہ جواں ہمت اور حوصلہ مند ہوں۔ وہ مصائب و مشکلات کی پرواہ نہ کرنے والی ہوں۔ وہ دین کے لیے ہر قسم کی قربانی پر تیار رہنے والی ہوں وہ جرأت اور بہادری کی پیکر ہوں اور اپنے اخلاص اور اپنے جوش اور اپنی محبت میں مردوں سے پیچھے نہ ہوں۔ یہ معنی ایسے لطیف ہیں کہ میرے نزدیک اپنی ذات میں اس بات کے مستحق ہیں کہ ان معنوں کو بار بار بیان کیا جائے۔ ان پر زور دیا جائے اور انہیں اپنی تقریر و تحریر میں بتکرار لایا جائے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام عورتوں کو کس بلند مقام پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اور عورتوں میں بھی دینی روح ترقی کرے۔ اگلے جہان میں اگر ساری عورتیں ایک ہی عمر کی ہوں تو اس میں کوئی خاص لطف کی بات نہیں۔ وہ غرض کَوَاعِبَ کہہ کر پوری ہو سکتی تھی۔ اَتْرَاب کا زائد لفظ لانا بتا رہا ہے کہ یہ بات خصوصیت سے اس دنیا سے تعلق رکھنے والی ہے۔

وَّكَأْسًا دِهَاقًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ۔ اور چھلکتے ہوئے پیالے۔

تفسیر۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اعناب کا ذکر فرمایا تھا جس سے شراب بنتی ہے۔ اب یہ بتایا کہ وہ مذکورہ بالا شرابِ معرفت میں اتنے متوالے ہوں گے کہ ان کا نشہ کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ اور ان کی طبیعتوں میں کہیں سیری حاصل نہیں ہوگی۔ ایک پیالہ ختم ہو گا تو دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا پینا شروع کر دیں گے۔ یعنی ایک قربانی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری قربانی کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ گویا محبت الٰہی کا پیالہ وہ سیر ہو کر زمین پر رکھیں گے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا پیالہ بھرا ہوا رہے گا۔ اور عشق الٰہی کے نشہ میں انہیں قربانی کی ایسی عادت پڑ جائے گی کسی موقعہ پر بھی ان کی طبیعت میں سیری نہیں ہو گی۔ چونکہ اگلے جہان کی لذتیں روحانی ہوں گی گو یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی ایک جسمانی شکل بھی ہوگی۔ مگر بہر حال چونکہ اصلی لذت روحانی ہوں گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو ایسے پیالے ملیں گے جو ہمیشہ بھرے رہیں گے ان میں کبھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ان الفاظ کو اگلے جہاں پر چسپاں کیا جائے تو وہاں اس کے معنی ہوں گے کہ ان کے دل محبت الٰہی سے ہمیشہ لبریز ہوں گے قربانی ان کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹائے گی۔ بلکہ ہر قربانی کے بعد ان کا دل چاہے گا کہ ہم اور قربانی کریں اور اپنے عشق کا مظاہرہ کریں گے تو ان کے دلوں میں خواہش پیدا ہو گی کہ ہم اپنے عشق کا اب تیسرا مظاہرہ کریں اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ۔ نہ وہ اُس میں کوئی لغو (بات) سُنیں گے اور نہ کوئی ادنیٰ سا جھوٹ۔

تفسیر۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کی مشابہت شراب سے دی تھی اور شراب میں بعض نقائص پائے جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمادیا کہ گو وہ شراب کی طرح محبت الٰہی میں سرشار ہوں گے مگر ہمارا اس سے یہ مطلب نہیں کہ شراب کے نقائص بھی ان میں پائے جاتے ہوں گے۔ فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا وہ نہ اس میں کوئی لغو باتیں سنیں گے اور نہ تکذیب کی کوئی بات سنیں گے۔ لغو سے مراد بے ہودہ باتیں اور کذاب سے مراد ایک دوسرے کو جھٹلانا کے ہیں۔ جنت کی نعماء خواہ شراب کے پیالوں کی شکل میں ملیں، خواہ عشق الٰہی کی شراب کے پیالے ان کو پلائے جائیں۔ اس شراب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں لغو اور کِذاب نہیں ہو گا۔ لغو کی طرف توجہ نہ ہونے کے تین فائدے ہیں اوّل اس کے نتیجے میں وقت ضائع نہیں ہوتا۔ دوم ذہنوں میں مقاصد کی طرف توجہ پیدا کرنے کی عادت ہوتی ہے سوم پہلی دو باتوں کے نتیجہ میں قوم جلد ترقی کی طرف قدم اٹھاتی ہے۔ کذاب نہ ہونے کے نتیجہ میں اوّل حسن ظنی پیدا ہوتی ہے اور دلوں کو اطمینان ہوتا ہے دوسرا فائدہ قومی تعاون حاصل ہوتا ہے انسان نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ایک دوسرے کے تعاون سے قوم میں ترقی کی روح پیدا ہو گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حسن ظنّی کے نتیجہ میں اقدام عمل کے وقت یہ خوف نہیں ہوتا کہ دوسرے الزام لگا کر میری سکیم کو ناکام بنادیں گے۔ حسن ظنی کی وجہ سے دلیری پیدا ہوتی ہے اور انسان قوم کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میں نہ لغو ہو گا اور نہ کذاب۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ۔ تیرے ربّ کی طرف سے ایک جزا ہے، ایک جچا تلا انعام۔

تفسیر۔ یہ تیرے رب کی طرف سے بطور جزاء کے ہو گا۔ یعنی ایسی جزاء جو حساب کے مطابق ہو گی۔ حساب کے معنی حساب کے مطابق کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں۔ ایک معنی گننے اور کافی کے بھی ہوتے ہیں۔ یعنی ایسی چیز جس سے انسان کی ضرورت پوری ہو جائے۔

اس جگہ حِسَابًا کے ایک معنی یہ ہیں کہ انہیں ایسی عطاء ملے گی جو پہلے سے حساب میں موجود تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشگوئیوں میں اس کا ذکر کیا ہوا تھا۔ یعنی مومن جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ یہ جزا ملے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہوا ہے کہ اس طرف سے فلاں فلاں نعمتیں ملیں گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ باتیں ایک دن پوری ہوں اور کافر بھی علم رکھتا تھا کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ پس چونکہ اس عَطَآءً کے ساتھ ایک پیشگوئی کا ذکر ہے اس لئے حسابا کا لفظ بڑھادیا۔ میرے نزدیک **عَطَآءً حِسَابًا** سے مراد وہی عطا ہے جو حساب میں آچکی تھی یعنی جس کا ذکر ہو چکا تھا۔ جس کا مومن کو بھی علم تھا اور کافر کو بھی۔ یہاں عَطَآءً کی تعداد مراد نہیں بلکہ اس عَطَآءً کے ملنے کا وعدہ مراد ہے۔ اس طرح عَطَآءً حِسَابًا کا یہ مطلب ہے کہ وہ سرکاری دیوان میں لکھی ہوئی عطا ہو گی جس کی پہلے سے پیشگوئی موجود تھی اور جس کا دوست کو بھی علم تھا اور دشمن کو بھی۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ۔ آسمانوں اور زمین اور ہر اس چیز کے ربّ کی طرف سے جو اِن دونوں کے درمیان ہے۔یعنی رحمان کی طرف سے۔وہ اُس سے کسی کلام کا اختیار نہیں رکھیں گے۔

تفسیر-رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس رب کی طرف سے تم کو یہ جزاء ملے گی وہ آسمان و زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔پس وہ جس پر مہربان ہو یہ سب کچھ اُسے بخش سکتا ہے گویا بخشش کی وسعت کے امکان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی ایسی ہے کہ کوئی انسان اُس سے خطاب کرنے کی مقدرت نہیں رکھتا۔انسان خدا پر جو ایمان رکھتا ہے وہ ایمان بالغیب ہے اس میں خطاب کو کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن آخرت میں بھی یہی کیفیت ہوگی۔کہ کوئی انسان اُس کی اجازت کے بغیر اُس سے گفتگو کرنے کی مقدرت نہیں رکھے گا۔لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا سے مراد ہی یہ ہے کہ یہ چیز اختیاری نہیں ہوگی۔اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔کہ ہمارا احسان ہے کہ ہم نے تم پر اپنا کلام نازل کیا۔ہماری صفت رحمانیت کے نتیجہ میں ہی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آئے اور اُن پر قرآن نازل کیا اور تمہیں ترقیات نصیب ہوئیں۔پس جو یہ جزاء تمہیں مل رہی ہے وہ درحقیقت کلام الٰہی کا نتیجہ ہے۔کسی انسان میں خدا سے کلام کرنے کی طاقت نہیں،وہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کرتا ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا میں رحمن کا لفظ جو بظاہر زائد لایا گیا تھا اس کی وجہ بیان کر دی کہ تمہارے بس اور طاقت کی یہ بات نہیں کہ تم اس قدر ترقی کر جاتے۔تم نے جو ترقی کی ہے وہ کلام الٰہی پر عمل کے نتیجہ میں کی ہے۔اور کلام الٰہی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔زور سے اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ۔ جس دن روح القدس اور فرشتے صف بصف کھڑے ہوں گے،وہ کلام نہیں کریں گے سوائے اُس کے جسے رحمان اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔

تفسیر۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اس سورۃ میں غلبۂ قرآن،غلبۂ اسلام اور قیامت تینوں چیزوں کا ذکر ہے لیکن یہ معنی تینوں مقامات پر چسپاں نہیں ہوتے۔بے شک قیامت پر چسپاں ہو جائیں گے مگر غلبۂ قرآن اور غلبۂ اسلام پر نہیں ہوں گے۔اس لئے اب میں وہ معنی بتاتا ہوں جو اس دنیا پر بھی چسپاں ہوتے ہیں اور اگلے جہان پر بھی۔الروح سے میں آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کامل روح مراد لیتا ہوں اور یوم سے مراد قیامت کا دن ہے جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شفاعت فرمائیں گے۔اور وہ معنی ایسے ہیں کہ قرآن اور حدیث دونوں سے تصدیق ہوتی ہے کہ جس دن لوگوں پر سخت گھبراہٹ ہوگی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں میں اُس وقت میں خدا کے سامنے جا کر شفاعت کروں گا پس اس جگہ روح سے مراد آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روح کامل مراد ہے۔جب روح کامل کا

ذکر کیا گیا تو دوسری ارواح جو اس سے نچلے درجے کی ہیں اس میں شامل سمجھی جائیں گی۔ اس طرح گذشتہ انبیاء کی روحیں بھی الرُّوۡحُ میں شامل سمجھی جائیں گی۔

یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا کے معنی ہوں گے جس دن کھڑی ہوگی روح کامل اور صف باندھے ملائکہ کھڑے ہوں گے۔ اور اُس وقت کوئی نہیں بولے گا سوائے اس کے جسے خدا اجازت دے اور کہے گا تو لوگوں کی شفاعت کر سکتا ہے۔ اس دنیا میں بھی ایسا ہی ہوا۔ محمد ﷺ کی روح جب کھڑی ہوئی تو ملائکہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس لحاظ سے اس آیت کو اسلامی جنگوں کے متعلق سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ دشمن کے مقابلہ کے لیے رسول پاک ﷺ نکلیں گے تو فرشتوں کی فوج صف باندھ کر آپؐ کے ساتھ ہوگی۔ اور آپؐ کی مدد کریں گے۔

تیسرے معنی اس میں غلبۂ اسلام کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کی جس دن ہمارا رسول ﷺ تم پر فتح حاصل کر کے کھڑا ہوگا اور ملائکہ ساتھ صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ یہاں ملائکہ سے مراد فرشتے نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی جماعت آپ ﷺ کے ساتھ ہوگی جو ملائکہ صفت ہوں گے۔ اسلام کی منظم حکومت دنیا میں قائم ہو جائے گی۔

ذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ۔ وہ برحق دن ہے۔ پس جو چاہے اپنے ربّ کی طرف لوٹنے کی جگہ بنائے۔

تفسیر۔ ذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الۡحَقُّ یہ دن آکر رہنے والا ہے۔ حق کے معنی ہوتے ہیں واقع۔ ثابت

فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا پس جو چاہے اپنے رب کو مآب بنالے۔ مآب کے معنی ہیں وہ چیز جس کی طرف انسان بار بار لوٹ کر جاتا ہے۔ چونکہ اسلام خدا کو مومن کا معشوق قرار دیتا ہے اس لئے فرماتا ہے اگر تم اپنے دعویٰ عشق میں صادق ہو تو پھر تمہارا کام یہ ہے کہ جب بھی تم دنیا کے کاموں سے فارغ ہو جاؤ خدا کو مآب بناؤ اور اسی سے اپنی محبت اور عشق کا اظہار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس طرف بھی اشارہ فرماتا ہے۔ کہ چونکہ وہ دن آنیوالا ہے جس میں اسلام کو چاروں طرف غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے کئی لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ ہم کو بھی اس عزت میں سے کچھ حصّہ مل جائے۔ ایسے لوگوں کو فرماتا ہے کہ اگر تمہاری سچے دل سے یہ خواہش ہے کہ تم بھی ان کامیابیوں میں حصّہ لو اور تمہیں بھی کوئی مقام حاصل ہو جائے۔ تو ہماری نصیحت ہے کہ تم اپنے رب کو مآب بنالو۔ اور لوٹ لوٹ کر خدا کی طرف جاؤ۔ تمہیں کام سے ذرا بھی فراغت نصیب ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ اُس سے اپنی محبت بڑھاؤ۔ اُس کی طرف دوڑ دوڑ کر جاؤ اور اُس کو اپنی جائے پناہ قرار دو۔ صرف پانچ وقت کی نماز اور تیس روزے انسان کے کام نہیں آتے بلکہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اور انسان کا بار بار اس کی طرف لوٹنا۔ یہ چیز ہے جو انسان کے کام آیا کرتی ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰکُمۡ عَذَابًا قَرِیۡبًا ۚۖ یَّوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ وَیَقُوۡلُ الۡکٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۱﴾

ترجمہ۔ یقیناً ہم نے تمہیں ایک قریب کے عذاب سے مُتنبّہ کر دیا ہے۔ جس دن انسان وہ دیکھ لے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں

نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا اے کاش! میں خاک ہو چکا ہوتا۔

تفسیر۔ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں عذاب قریب سے ڈرادیا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہاں اسلام اور قرآن کا غلبہ مراد ہے صرف اگلا جہان مراد نہیں۔ کیونکہ یہاں ایک بات سے دوسری بات کا نتیجہ نکالا گیا ہے۔ فرماتا ہے کہ ہم نے عذاب قریب سے تمہیں ڈرادیا ہے۔ جو ثبوت ہوگا اس بات کا کہ عذاب بعید بھی آنے والا ہے۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اس سے مراد وہ عذاب ہے جس دن انسان اپنے کاموں کے نتائج کو دیکھ لے گا۔ اتفاقی طور پر نہیں دیکھے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُس پر اپنی ناکامی واضح ہو جائے گی۔ وہ دیکھ لے گا کہ اپنے کئے کا بدلہ پا لیا مسلمان جیت گئے اور ان کے دشمن ذلیل ورُسوا ہو گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے غالب آنے کے ساتھ کفّار نے بھی اپنا انجام دیکھ لیا اور مومنوں نے بھی اپنے انعامات دیکھ لئے۔

اگلے جہان کے لحاظ سے وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا کے معنی یہ ہوں گے کہ کافر عذاب کو دیکھ کر حسرت کے ساتھ کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا اور اس عذاب کو نہ دیکھتا اور اس جہان کے لحاظ سے اس کے یہ معنی ہیں کہ کاش میں مٹی ہوتا اور اس ندامت اور شرمندگی کی ذلت سے بچ جاتا جو مجھے دیکھنی نصیب ہوئی۔ چنانچہ مسلمانوں کی شوکت کے زمانہ میں کفّار کی یہی حالت ہوئی۔ غرض ابتدائی ایّام اسلام میں ہی اللہ تعالیٰ نے وہ سارا نقشہ کھینچ دیا جو آئندہ زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کا ہونے والا تھا۔ ابھی وہ لوگ زندہ تھے جنہوں نے اس نقشہ کو ایک مجنوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دی تھی کہ خدا کی بات پوری ہوگئی اور ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے بدلتے ہوئے حالات دیکھ لئے۔

یاد رکھنے کی باتیں

1: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (الاعلیٰ:2) اپنے رب کے اعلیٰ نام کے ساتھ اُس کی تسبیح کر

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پاک ہے میرا ربّ جو بڑی شان والا ہے۔

2: اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (الغاشیة: 27،26) یقیناً ہماری طرف ہی اُن کا لوٹنا ہے۔ پھر یقیناً ہم پر ہی اُن کا حساب ہے۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا اے اللہ ہم سے آسان حساب لے۔

3: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (التین:9) کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟

بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کیوں نہیں (خدا تعالیٰ سب سے اعلیٰ حاکم ہے) اور میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں۔

احادیث نبوی ﷺ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔(سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ: آیت 57)

پہلی سہ ماہی

1: زکوۃ اور اُسکی اہمیت

عَنِ الْحَسَنِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصِّنُوْا اَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ وَدَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَاسْتَقْبِلُوْا اَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ (مراسیل ابواؤد باب فی الصائم یصییب اهله)

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموال کو زکوٰۃ ادا کر کے محفوظ کرلو(کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنا باعثِ برکت ہے) یامال کو تجارت میں لگاؤ ورنہ اگر مال یونہی پڑا رہا تو اس میں سے زکوٰۃ نکلتے نکلتے سارا مال ختم ہو

جائے گا اور اپنے بیماروں کا علاج صدقات کے ذریعہ بھی کرو اور مختلف علاقوں پر موج در موج آنے والی آفات کا دفعیہ (علاوہ دوسری تدابیر) دعاؤں اور تضرّعات کے ذریعہ بھی کرو۔

2: حج اور اُسکی اہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا، فَقَالَ رَجُلٌ: اَكُلَّ عَامٍ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِیْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ، فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ۔(مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرّۃً فی الامر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک خطاب میں ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس لیے تم حج کیا کرو۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہر سال حج ضروری ہے؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے تین بار یہ سوال دہرایا تو آپؐ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر ایک پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم ایسا کرنے کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا جب تک مَیں تم کو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑے رکھو۔ بلاضرورت باتیں پوچھنے کی حرص نہ کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء سے کثرت سے سوال کیا کرتے تھے اور پھر جو باتیں وہ بتاتے انکی خلاف ورزی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں جاگرتے جب مَیں خود تم کو کوئی حکم دوں تو طاقت کے مطابق اسے بجالاؤ اور اگر کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔

3: نماز اور اُسکی شرائط

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاءَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَایَاہُ مِنْ جَسَدِہٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِہٖ۔ (مسلم کتاب الطھارۃ باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرے اس کے قصور اس کے جسم سے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے اندر سے بھی نکل جاتے ہیں۔

دوسری سہ ماہی

4: ہدیہ، مصافحہ، ھبہ کی اہمیت

عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْخُرَاسَانِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا یَذْھَبُ الْغِلُّ وَتَھَادُوْا تَحَابُّوْا تَذْھَبُ الشَّحْنَاءُ (مؤطا امام مالک باب مَاجاء فی المھاجرۃ)

ترجمہ: حضرت عطا بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے بُغض اور کینہ دور ہو جائے گا اور آپس میں تحفے تحائف دیا کرو اس سے ایک دوسرے سے محبت زیادہ ہوگی اور عداوت اور رنجش دور ہو جائے گی۔

5: دولت اور شکر نعمت احسان کا شکریہ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيُجْزِ بِهٖ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهٖ فَمَنْ أَثْنٰی بِهٖ فَقَدْ شَكَرَهٗ وَمَنْ كَتَمَهٗ فَقَدْ كَفَرَهٗ۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی شکر المعروف)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اسکا بدلہ دے۔ اگر وہ بدلہ دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ تعریف کے رنگ میں اس کا ذکر کرے اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ اگر اس نے بات کو چھپایا تعریف کا ایک کلمہ تک نہ کہا تو گویا وہ ناشکری کا مرتکب ہوا

6: دولت اور شکر نعمت احسان کا شکریہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يَّرٰی أَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰی عَبْدِهٖ۔ (ترمذی کتاب الادب باب ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے فضل اور اپنی نعمت کا اثر اپنے بندہ پر دیکھے یعنی خوشحالی کا اظہار اور توفیق کے مطابق اچھا لباس اور عمدہ رہن سہن اللہ تعالیٰ کو پسند ہے بشرطیکہ اس میں تکبّر اور اسراف کا پہلو نہ ہو۔

تیسری سہ ماہی

7: نماز اور اسکی شرائط

عَنْ أَبِیْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ يُّدْخِلُنِیْ الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ۔

(بخاری کتاب الادب باب فضل صلہ الرحم)

ترجمہ: حضرت ابو ایّوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور آگ سے دور کر دے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرا۔ نماز پڑھ۔ زکوۃ دے اور صلہ رحمی کر یعنی رشتہ داروں کے ساتھ پیار و محبت سے رہ۔

8: عیسٰی بن مریم یعنی مسیح موعُود اور مہدی معہود علیہ السلام کا ظہور

اَلَا اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَلَا رَسُوْلٌ: اَلَا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ، اَلَا اِنَّہٗ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَ یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ، وَتَضَعُ الحَرْبُ اَوْزَارَھَا، اَلَا مَنْ اَدْرَکَہٗ فَلْیَقْرَأْ عَلَیْہِ السَّلَامَ۔ (طبرانی الاوسط والصغیر)

ترجمہ: خبر دار رہو کہ عیسٰی بن مریم (مسیح موعود) اور میرے درمیان کوئی نبی یا رسول نہیں ہو گا۔ خوب سن لو کہ وہ میرے بعد امّت میں میرا خلیفہ ہو گا۔ وہ ضرور دجّال کو قتل کرے گا۔ صلیب (یعنی صلیبی عقیدہ) کو پاش پاش کر دے گا۔ اور جزیہ ختم کر دے گا (یعنی اسکا رواج اُٹھ جائے گا کیونکہ) اس وقت میں (مذہبی) جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یاد رکھو جسے بھی اُن سے ملاقات کا شرف حاصل ہو وہ انہیں میرا اسلام ضرور پہنچائے۔

9: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ فَیَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ وَیَمْکُثُ خَمْسًا وَاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَمُوْتُ فَیُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ۔ (مشکوۃ باب نزول عیسٰی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسیح جب نزول فرما ہوں گے تو شادی کریں گے، انکی (بشارتوں کی حامل) اولاد ہو گی، (دعویٰ ماموریت کے بعد) 45 سال کے قریب رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوں گے۔ پس مَیں اور مسیح ابو بکر اور عمر کے درمیان ایک قبر سے اٹھیں گے۔ (یعنی روحانیت اور مقصدِ بعثت کے لحاظ سے ہم چاروں کا وجود متّحدہ الصفات اور ایک ہو گا)

حفظِ ادعیہ

پہلی سہ ماہی

ہمارے پیارے امام سیّدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ فرمودہ 05/ اپریل 2024ء میں دعاؤں اور ذکر الٰہی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

ان دنوں میں اور ہمیشہ اپنی زبانوں کو دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے تر رکھنا چاہیے۔ اپنے سجدوں میں، اپنی دعاؤں میں اضطرار کی حالت پیدا کرنی چاہیے۔ اس وقت میں بعض قرآنی اور مسنون دعاؤں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کو بھی دہراؤں گا۔ ان دعاؤں پر صرف یہاں آمین کہہ دینا کافی نہیں ہے بلکہ ان پر ہمیں مستقل توجہ دینی چاہیے اور غور کر کے اضطرار کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اپنی زبان میں بھی دعائیں کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو تا کہ اضطرار کی حالت زیادہ پیدا ہو۔ دل اسے محسوس کرے۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 6)

قرآنی دعائیں

سب سے پہلے تو سورہ فاتحہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۵﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾

صرف نماز میں ہی نہیں ویسے بھی اسے دہراتے رہنا چاہیے۔ جوبلی کی دعاؤں میں ہم نے یہ مقرر کی تھی سورۂ فاتحہ بھی لوگ ساتھ دہراتے تھے۔ دوسرے عادت پڑ جانی چاہیے کہ انسان مستقل دہراتا رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کی ایک خصوصیت یہ ہے ”اس کو توجہ اور اخلاص سے پڑھنا دل کو صاف کرتا ہے اور ظلماتی پردوں کو اٹھاتا ہے۔“ جو اندھیرے دل پہ چھائے ہوئے ہیں ان کو دُور کرتا ہے ”اور سینے کو منشرح کرتا ہے۔“ انشراح بخشتا ہے۔ تسلی دلاتا ہے ”اور طالبِ حق کو حضرتِ احدیت کی طرف کھینچ کر ایسے انوار اور آثار کا مورد کرتا ہے کہ جو مقربان

حضرت احدیت میں ہونی چاہئے" اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر انسان غور سے پڑھے تو جو قرب اللہ تعالیٰ کے مقربین کا ہوتا ہے ویسا قرب مل سکتا ہے، یہ نہیں کہ ہمیں نہیں مل سکتا" اور جن کو انسان کسی دوسرے حیلہ یا تدبیر سے ہر گز حاصل نہیں کر سکتا۔" (براہین احمدیہ حصّہ چہارم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 402)

پس سورۃ فاتحہ کو بڑے غور سے اور سمجھ کر پڑھنے اور ورد کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس میں بیان دعائیں ہی انسان میں اضطرار کی حالت پیدا کر دیتی ہیں۔

پھر قرآن کریم کی ایک دعا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ: ۲۰۲)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ عطا کر اور آخرت میں بھی حسنہ عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اس کے بارے میں ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ "مومن کے تعلقات دنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں وہ اس کے مراتب عالیہ کا موجب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کا نصب العین دین ہوتا ہے" مومن کا نصب العین دین ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کے تعلقات بھی اس کو مرتبے عطا کرتے ہیں کیونکہ دین مقدم ہوتا ہے" اور دنیا، اس کا مال وجاہ دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس

اصل بات یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ بلکہ حصول دنیا میں اصل غرض دین ہو۔"

فرمایا" دنیا مقصود بالذات نہ ہو بلکہ حصولِ دنیا میں اصل غرض دین ہو۔ اور ایسے طور پر دنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وہ دین کی خادم ہو۔" فرمایا" ... اللہ تعالیٰ نے جو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرۃ: ۲۰۲) اس میں بھی دنیا کو مقدم کیا ہے۔" "پہلے دنیا رکھی ہے "لیکن کس دنیا کو؟ ... جو آخرت میں حسنات کا موجب ہو جاوے۔" وہ دنیا مقدم ہے جو آخرت میں حسنات کا موجب ہو جائے۔ "اس دعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ مومن کو دنیا کے حصول میں حسنات الآخرۃ کا خیال رکھنا چاہئے اور ساتھ ہی حسنۃ الدنیا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصول دنیا کا ذکر آگیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصول دنیا کے لئے اختیار کرنی چاہئے۔" دنیا کے لیے حسنات مانگیں گے تو پھر آدمی دنیا کمانے کے لیے غلط کام نہیں کر سکتا۔ دین مقدم ہو گا، اللہ تعالیٰ کی رضا مقدم ہو گی تو پھر اس کے مطابق انسان کام کرے گا۔ فرمایا" دنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خوبی ہی ہو نہ وہ طریق جو کسی دوسرے بنی نوع انسان کی تکلیف

رسائی کا موجب ہو۔ نہ ہم جنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔ ایسی دنیا بے شک حسنۃ الآخرت کا موجب ہو گی۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 91-92۔ ایڈیشن 1984ء)

پس اس دنیا کو حاصل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہونا چاہیے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ ہو گا تو تب ہی ہم دعا سے حقیقی فیض پانے والے ہوں گے۔

ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہماری جماعت کو یہ دعا آج کل بہت مانگنی چاہئے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ماخوذ از ملفوظات جلد اوّل صفحہ 9۔ ایڈیشن 1984ء)

اس لیے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے بنیں۔ اس لیے بھی کہ ہم دشمنوں کی بھڑکائی ہوئی آگ سے محفوظ رہیں اور آج کل تو دنیا کے جو حالات ہیں، جنگوں میں بھی ایسے ہتھیار استعمال ہوتے ہیں جو آگ پھینکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آگ سے بھی بچائے اور دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حسنات عطا فرمائے۔ پس اپنے لئے بھی اور دنیا کے لئے بھی احمدیوں کو بہت دعاؤں کی ضرورت ہے۔

پھر اس دعا کو بھی آج کل بہت شدت سے اور بہت اضطرار سے کرنا چاہیے۔ قرآنی دعا ہے۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (البقرۃ: ۲۵۱)

اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل کر اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر۔ کسی قسم کا خوف اور حالات ہمارے قدموں کو ڈگمگا نہ دیں۔

اس دعا کا بھی بار بار اور اضطرار کے ساتھ ورد کرنا چاہیے کہ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (البقرۃ: ۲۸۷)

اے ہمارے رب! ہمارا مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے کوئی خطا ہو جائے اور اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر ان کے گناہوں کے نتیجے میں تُو نے ڈالا اور اے ہمارے رب! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈال جو ہماری

طاقت سے بڑھ کر ہو اور ہم سے در گزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا والی ہے۔ پس ہمیں کافر قوم کے مقابلے پر نصرت عطا کر۔

ایمان کی مضبوطی کے لیے یہ دعا بھی بہت پڑھنی چاہیے

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔(آل عمران:۹)

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے بعد اس کے کہ تُو ہمیں ہدایت دے چکا ہے اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا کر یقیناً تُو ہی ہے جو بہت عطا کرنے والا ہے۔

دوسری سہ ماہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بعض دعاؤں کا ذکر

کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے ایسی دعا سکھائیں جس کے ذریعے میں اپنی نماز میں دعا مانگوں۔ آپؐ نے فرمایا تم کہو

اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيْرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ (صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء فی الصلاۃ حدیث 6326)

اے اللہ! مَیں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا سوائے تیرے۔ پس تُو اپنی جناب سے میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ یقیناً تُو ہی بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو اس کی تاکید فرمائی۔

پھر مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات سکھایئے جو مَیں کہا کروں آپؐ نے فرمایا یہ کہا کرو کہ

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے لیے بہت حمد ہے۔ پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا ربّ ہے نہ کوئی طاقت ہے نہ کوئی قوت ہے مگر اللہ کو جو غالب بزرگی والا اور خوب حکمت والا ہے۔

اس بدوی نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! یہ تو میرے ربّ کے لیے ہیں۔ اس کی تعریف مَیں کر رہا ہوں۔ میرے لیے کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ کہا کرو کہ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔

کہ اے اللہ! مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما۔

(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء... باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء حدیث 6848)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ایک دعا کا یوں ذکر ملتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو جاگتے تو فرماتے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، سُبْحَانَکَ، اَللّٰھُمَّ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ، وَاَسْاَلُکَ رَحْمَتَکَ، اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا، وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ، وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً، اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ (سنن ابی داؤد ابواب النوم باب ما یقول الرجل اذا تعار من اللیل حدیث ۵۰۶۱)

اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اے اللہ! مَیں تجھ سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! مجھے علم میں بڑھادے اور میرے دل کو ٹیڑھا نہ کرنا بعد اس کے جب تُو نے مجھے ہدایت دے دی اور اپنی جناب سے مجھے رحمت عطا فرما یقیناً تُو ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کا یوں ذکر ہے۔ زِیاد بن عِلَاقہ اپنے چچا قُطبَہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَاءِ

اے میرے اللہ! مَیں بُرے اخلاق اور بُرے اعمال سے اور بُری خواہشات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(سنن الترمذی ابواب الدعوات باب دعاء ام سلمۃ حدیث 3591)

بڑی مختصر سی یہ دعا ہے اور یہ ہر کوئی آرام سے کر بھی سکتا ہے۔ بُرے اخلاق بُرے اعمال اور بُری خواہشات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اگر یہ انسان کرے اور درد سے کرے تو بہت ساری برائیاں بھی دُور ہو جائیں گی اور نیکیاں پیدا ہو جائیں گی۔

مصیبت اور حالتِ کرب کی ایک دعا کا ذکر یوں ملتا ہے کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاعند الکرب حدیث 6346)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کی حالت میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عظمت والا اور بُردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عرش عظیم کا ربّ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمان و زمین کا اور عرشِ کریم کا ربّ ہے۔

ابتلا کے وقت کی ایک دعا

اس طرح ہے۔ **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتَعَوَّذُ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ۔**

(صحیح البخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من جھد البلاء حدیث 6347)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقابل برداشت آزمائشوں، بدبختی، بُری قضا اور دشمن کے خوش ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے۔

تیسری سہ ماہی

حصولِ رشد کی دعا۔

اس کا ترجمہ یہ ہے عمران بن حُصَین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حُصَین کو فرمایا اگر تُو اسلام قبول کر لیتا تو میں تمہیں دو کلمات سکھاتا جو تیرے لیے نفع کا موجب ہوتے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حُصَین نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! مجھے وہ دو کلمات سکھایئے جن کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہ کہا کرو کہ

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ۔

کہ اے اللہ! مجھے میری ہدایت کے ذرائع الہام کر اور میرے نفس کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

(سنن الترمذی ابواب الدعوات باب قصۃ تعلیم الدعا... حدیث 3483) یہ دعا بھی فی زمانہ بہت پڑھنے کی ضرورت ہے۔

دشمنوں کے بد ارادوں کے خلاف دعا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔(سنن ابی داؤد کتاب الوتر باب ما یقول اذا خاف قوماً حدیث 1537)

حضرت ابوبُردہ بن عبد اللہؓ نے یہ روایت کی ہے۔ کہتے ہیں میرے والد نے مجھے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کی طرف سے خوف محسوس کرتے تو ان الفاظ میں یہ دعا کیا کرتے تھے

اے اللہ! ہم تجھے ان کے سینوں کے مقابل پر رکھتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

یہ دعا بھی آج کل احمدیوں کو بہت زیادہ پڑھنی چاہیے۔ دشمنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

اب ان دعاؤں کے بارے میں مَیں بیان کروں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ہمیں ملتی ہیں۔

جن میں بعض ارشادات ہیں اور بعض دعائیں ہیں۔ اپنے ایک خط میں مولوی نذیر حسین صاحب سخانؔ دہلوی نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھا کہ حصولِ حضور کا کیا طریقہ ہے؟ کس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا کریں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ طریق یہی ہے کہ نماز میں اپنے لئے دعا کرتے رہیں اور سرسری اور بے خیال نماز پر خوش نہ ہوں بلکہ جہاں تک ممکن ہو توجہ سے نماز ادا کریں اور اگر توجہ پیدا نہ ہو تو پنج وقت ہر یک نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور میں بعد ہر رکعت کے کھڑے ہو کر یہ دعا کریں۔''یعنی جب قیام کرتے ہیں اس وقت یہ دعا کریں'' کہ

اے خدائے تعالیٰ قادر ذوالجلال! مَیں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ وریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقّت اور حضور نماز حاصل نہیں ہو سکتا تو اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ بخش اور میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کر دے اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے تا کہ اس کے ذریعہ سے میری سخت دلی دُور ہو کر حضور نماز میں میسر آوے۔''(مکتوباتِ احمد جلد پنجم صفحہ 471۔ ایڈیشن 2015ء)

پھر ایک جگہ آپؑ نے یہ دعا کی ہے کہ

''اے میرے محسن اور میرے خدا! مَیں ایک تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں تُو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تُو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے

متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے اَور کوئی چارہ گر نہیں۔ آمین"(مکتوباتِ احمد جلد دوم صفحہ 10۔ایڈیشن 2015ء)

یہ ایسی دعا ہے جسے مَیں سمجھتا ہوں روزانہ ضرور پڑھنا چاہیے۔ اپنا جائزہ لینا چاہیے۔ یہ دعا آپؑ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ایک خط میں لکھی تھی۔ ان کا مقام دیکھ کر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کس توجہ سے ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کو اگر یہ دعا لکھی تھی تو ہمیں اَور بڑھ بڑھ کے یہ دعا توجہ سے کرنی چاہیے۔ دل سے نکلی ہوئی دعا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو بھی کھینچنے والی ہوگی۔

پھر ایک جگہ نصیحت کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا۔

"سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا ہے اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہئے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دُور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔"(ملفوظات جلد 7 صفحہ 39۔ ایڈیشن 1984ء)

پھر آپؑ کی ایک دعا ہے کہ "ہم تیرے گنہگار بندے ہیں اور نفس غالب ہیں تُو ہم کو معاف فرما اور آخرت کی آفتوں سے ہم کو بچا۔"(اخبار البدر جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۰)

ان دعاؤں کی قبولیت کے لیے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں۔ درود کے بغیر ہماری دعائیں ہوا میں معلق ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچتی نہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اس کا بہت زیادہ ہمیں ورد کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بھی دے کہ ہم اپنے دل سے یہ دعائیں کرنے والے ہوں۔ اپنی زبان میں بھی دعائیں کریں اور وہ حقیقی بے قرار اور مضطر بن کر دعائیں کریں جن کے دل کی گہرائیوں سے یہ دعائیں نکل رہی ہوں۔

اَلْقَصِیْدَۃُ فِیْ مَدْحِ خَاتَمِ النَّبِیّٖن ﷺ

(کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ　　یَسْعٰی إِلَیْکَ الْخَلْقُ کَالظَّمْاٰنِ

اے اللہ کے فیض و عرفان کے چشمے !خلقت تیری طرف پیاسے کی طرح دوڑ رہی ہے۔

یَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ　　تَھْوِی إِلَیْکَ الزُّمَرُ بِالْکِیْزَانِ

اے انعام و احسان کرنے والے خدا کے فضل کے سمندر !لوگوں کے گروہ کوزے لئے تیری طرف لپکے آرہے ہیں۔

یَا شَمْسَ مُلْکِ الْحُسْنِ وَالْإِحْسَانِ　　نَوَّرْتَ وَجْہَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ

اے حسن و احسان کے ملک کے آفتاب !تو نے بیابانوں اور آبادیوں کے چہرے کو منور کر دیا ہے۔

قَوْمٌ رَأَوْکَ وَأُمَّۃٌ قَدْ أُخْبِرَتْ　　مِنْ ذٰلِکَ الْبَدْرِ الَّذِیْ أَصْبَانِیْ

ایک قوم نے تو تجھے دیکھا ہے اور ایک امّت نے خبر سنی ہے اس بدر کی جس نے مجھے (اپنا) عاشق بنادیا ہے۔

یَبْکُوْنَ مِنْ ذِکْرِ الْجَمَالِ صَبَابَۃً　　وَتَأَلُّمًا مِنْ لَوْعَۃِ الْھِجْرَانِ

وہ تیرے حسن کی یاد میں بوجہ عشق کے (بھی) روتے ہیں اور جدائی کی جلن کے دُکھ اُٹھانے سے بھی۔

وَأَرَی الْقُلُوْبَ لَدَی الْحَنَاجِرِ کُرْبَۃً　　وَأَرَی الْغُرُوْبَ تُسِیْلُھَا الْعَیْنَانِ

اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بیقراری سے گلے تک آگئے ہیں اور میں دیکھتا ہوں آنکھیں آنسو بہارہی ہیں۔

یَا مَنْ غَدَا فِیْ نُوْرِہٖ وَضِیَاءِہٖ　　کَالنَّیِّرَیْنِ وَنَوَّرَ الْمَلَوَانِ

اے وہ ہستی جو اپنے نور اور روشنی میں مہر و ماہ کی طرح ہو گئی ہے اور رات اور دن منور ہو گئے ہیں۔

يَا بَدْرَنَا يَا اٰيَةَ الرَّحْمٰنِ　　　أَهْدَى الْهُدَاةِ وَاَشْجَعَ الشُّجْعَانِ

اے ہمارے کامل چاند! اور اے رحمان کے نشان! سب راہنماؤں کے راہنما اور سب بہادروں سے بہادر۔

اِنِّیْ أَرَی فِیْ وَجْهِكَ الْمُتَهَلِّلِ　　　شَأْنًا يَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْإِنْسَانِ

بے شک میں تیرے درخشاں چہرے میں دیکھ رہا ہوں۔ ایک ایسی شان جو انسانی خصائل پر فوقیت رکھتی ہے۔

وَقَدِ اقْتَفَاكَ أُوْلُو النُّهٰی وَبِصِدْقِهِمْ　　　وَدَعُوْا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْاَوْطَانِ

بے شک دانشمندوں نے تیری پیروی کی ہے اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے وطنوں کی یاد بھلا دی ہے۔

قَدْ اٰثَرُوْكَ وَفَارَقُوْا أَحْبَابَهُمْ　　　وَتَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَةِ الْإِخْوَانِ

پس بے شک انہوں نے تجھے مقدم کر لیا اور اپنے دوستوں کو چھوڑ دیا اور اپنے بھائیوں کے دائرہ سے دور ہو گئے۔

قَدْ وَدَّعُوْا أَهْوَاءَهُمْ وَنُفُوْسَهُمْ　　　وَتَبَرَّءُوْا مِنْ كُلِّ نَشْبٍ فَانٍ

انہوں نے اپنی خواہشوں اور نفسوں کو یکسر چھوڑ دیا اور ہر فانی مال و منال سے بیزار ہو گئے۔

ظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ بَيِّنَاتُ رَسُوْلِهِمْ　　　فَتَمَزَّقَ الْاَهْوَاءُ كَالْاَوْثَانِ

ان پر اپنے رسول کے روشن دلائل ظاہر ہوئے تو ان کی نفسانی خواہشیں بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔

فِیْ وَقْتِ تَرْوِيْقِ اللَّيَالِیْ نُوِّرُوْا　　　وَاللّٰهُ نَجَّاهُمْ مِنَ الطُّوْفَانِ

وہ راتوں کی تاریکی کے وقت منور ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں طوفان سے نجات دے دی۔

قَدْ هَاضَهُمْ ظُلْمُ الْاُنَاسِ وَضَيْمُهُمْ　　　فَتَثَبَّتُوْا بِعِنَايَةِ الْمَنَّانِ

بے شک لوگوں کے ظلم و ستم نے انہیں چُور چُور کر دیا۔ پھر بھی خدائے محسن کی عنایت سے وہ ثابت قدم رہے۔

تاریخ اسلام

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیمؑ نے خدائی حکم کے ماتحت حضرت ہاجرہ اور اُن کے فرزند دلبند کو مکّہ کی وادی غیر ذی زرع میں لاکر آباد کیا۔ اور پھر واپس تشریف لے گئے۔ جب حضرت ابراہیمؑ عرب میں دوبارہ سہ بارہ تشریف لائے تو حضرت ہاجرہ فوت ہو چکی تھیں۔ اور اتفاق سے دونوں دفعہ حضرت اسمٰعیلؑ بھی کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور اس وجہ سے باپ بیٹے کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ چوتھی دفعہ پھر عرب میں تشریف لائے اور اس دفعہ دونوں نے مل کر مکّہ میں ایک عبادت خانہ کی تعمیر شروع کی۔ یہ عبادت خانہ دراصل بہت پرانا تھا۔ مگر اس کے نشان مٹ چکے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے علم پاکر اسے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی تجویز کی تھی۔ حضرت اسمٰعیلؑ تعمیر کے کام میں آپ کے مددگار تھے اور آپ کو پتھر لالا کر دیتے تھے ۔جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک خاص پتھر لے کر کعبہ کے ایک کونہ میں نصب کیا تاکہ وہ لوگوں کے لئے بطور نشان کے ہو کہ بیت اللہ کا طواف یہاں سے شروع کرنا چاہئے۔ یہ حجر اسود ہے جسے حج میں طواف کے وقت منہ سے یا ہاتھ کے اشارہ سے بوسہ دیتے ہیں۔ تاہم حجرِ اسود کوئی بالذات مقدس چیز نہیں ہے اور نہ ہی طواف کے وقت اسے بوسہ دینا کسی طرح شرک سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ محض علامت کے طور پر ہے غرض حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر ان گھڑت پتھروں کا ایک بے چھت چوکور کوٹھا تیار کیا جس کی بلندی نو ہاتھ تھی اور طول 32 ہاتھ تھا اور عرض 22 ہاتھ یہی خانہ کعبہ ہے جو آج مرجع خلائق ہے۔

دعائے خلیل: کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے جو دعا حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے کی اسے دعائے خلیل بھی کہا جاتا ہے جو سورۃ بقرہ میں ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب تو ہم دونوں کو اپنے فرمانبردار بندے بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک فرمانبردار جماعت پیدا کر اور ہم کو عبادت اور حج کے طریقے بتا اور ہماری طرف رجوع برحمت ہو۔ بے شک تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنے والا اور بہت

مہربان ہے۔ اے ہمارے رب تو مبعوث کیجیو ان میں اپنا ایک رسول انہی میں سے جو تیری آیات ان کو سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک وصاف کرے۔ بے شک تو غالب اور حکیم ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی دردمندانہ دعا کا نتیجہ تھی آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ أَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ یعنی میں ابراہیم کی دُعا کا ثمرہ ہوں۔

<u>کعبہ کی دوبارہ سہ بارہ تعمیر</u>: کعبہ بھی حضرت ابراہیم کی تعمیر کے بعد کئی دفعہ گرا اور کئی دفعہ بنا۔ قدرتی آفات کی وجہ سے جب بھی اس عمارت کو نقصان پہنچتا تو اس کے متولی اسے گرا کر پھر تعمیر کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد بھی اور اب تک خانہ کعبہ کی تعمیر و توسیع کا کام کئی بار ہو چکا ہے۔

(سیرت خاتم النّبیّین ﷺ)

<u>پنجگانہ نماز کا فرض ہونا</u>

معراج سے پہلے ابتدائے اسلام میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب مکہ کی گھاٹیوں میں اکیلے اکیلے یا ایک ایک یا دو دو مل کر نماز پڑھا کرتے تھے مگر باقاعدہ صورت میں پانچ وقت کی نماز کا آغاز معراج میں ہوا اور اس وقت سے اسلامی عبادات کا پہلا اور سب سے بڑا رکن اپنی موجودہ صورت میں قائم ہو گیا۔

یعنی اوّل پو پھٹنے کے بعد مگر سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز۔

دوسرے سورج ڈھلنے کے بعد مگر اس کے زیادہ نیچے ہونے سے پہلے ظہر کی نماز۔

تیسرے سورج کے نیچے ہو جانے کے بعد مگر روشنی دھیمی پڑنے سے پہلے عصر کی نماز۔

چوتھے سورج کے ڈوبنے کے بعد مگر شفق غائب ہونے سے پہلے مغرب کی نماز۔

پانچویں شفق غائب ہونے کے بعد مگر نصف شب سے پہلے عشاء کی نماز۔

ان پانچوں فرض نمازوں کے اوقات کے متعلق گو قرآن شریف نے صرف ایک اجمالی اشارہ کیا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل:3) مگر حدیث میں صراحت کے ساتھ ان کی تعیین بیان ہوئی ہے۔ جہاں یہ مذکور ہے کہ معراج کے بعد حضرت جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پانچوں نمازوں کے اوقات بالتفصیل سمجھائے۔ (بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

اسلامی نماز کی ظاہری شکل وصورت جو خدائی حکم کے ماتحت قائم کی گئی ہے اس میں مختلف حالتیں ہیں یعنی نماز کی ابتدا ٔقیام اس کے بعد رکوع کی حالت ہے۔ تیسری حالت سجدہ کی ہے جو ایک درمیانی قیام کے بعد آتی ہے اسے ایک درمیانی وقفہ کے ساتھ

دو دفعہ دہرایا جاتا ہے اور اس طرح نماز کی ایک رکعت پوری ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد اسی صورت میں دوسری اور تیسری اور چوتھی رکعت پڑھی جاتی ہے نماز کی ہر حالت یعنی قیام اور رکوع اور سجدہ اور قعدہ کے لیے علیٰحدہ علیٰحد و کلمات جو ہر حالت کے مناسب حال دعا اور تحمید اور تسبیح وغیرہ پر مشتمل ہیں مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

نماز میں اتحاد فی الصورت کی غرض سے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا لازمی ہے۔ اور سوائے کسی ناگزیر مجبوری کے یہ بھی لازمی ہے کہ ایک محلہ یا گاؤں یا قصبہ کے سب مسلمان مقررہ اوقات میں مسجد یا متبادل جگہ میں جمع ہو کر ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کیا کریں تاکہ ان میں بحیثیت قوم اتحاد پیدا ہو۔ نماز سے پہلے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے جسم کی ہر سہ اطراف کو یعنی منہ ہاتھ اور پاؤں کو پانی سے دھو لیا کرے۔ اس عمل کو اسلامی اصطلاح میں وضو کہتے ہیں جو گویا نماز کی اغراض کے لیے غسل کا قائم مقام ہے۔

غرض وضو سے لے کر اپنے اختتام تک نماز ایک نہایت ہی بابرکت عبادت ہے جس سے بڑھ کر قرب الٰہی کے حصول اور دل کی طہارت کے لیے کوئی دوسری عبادت تصور میں نہیں آسکتی اور دن رات کے مختلف وقتوں میں پانچ نمازوں کا مقرر کیا جانا روحانی حفاظت اور روحانی تقویت کا موجب ہے جس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ **(سیرت خاتم النبیین ﷺ)**

تحویل قبلہ

پنجگانہ نماز مکّہ میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ مدینہ میں باجماعت نماز کے التزام نے اذان کی ضرورت محسوس کرائی اور اس کا انتظام کیا گیا۔ مگر مسلمانوں کا قبلہ ابھی تک بیت المقدس تھا اور مکّہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور مدینہ کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہی طریق جاری رہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ مکہ کے کعبہ کو قرار دیا جاوے، کیونکہ وہ خدا کی عبادت کا پہلا گھر تھا جو دنیا میں تعمیر ہوا اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور عربوں کے جدّ اعظم اسماعیل ذبیح اللہ کی یادگار بھی اسی گھر سے وابستہ تھی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن اور اسلام کا مبداو منبع ہونے کی حیثیت میں بھی کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ بننے کا حق دار تھا لیکن چونکہ ابھی تک کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور یہ سلسلہ ہجرت کے سولہ سترہ ماہ بعد تک جاری رہا۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال شعبان کے مہینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ علم الٰہی کے نزول کی محرک ہوئی اور یکلخت مسلمانوں کا رخ بیت المقدس کی طرف سے کعبہ کی طرف پھر گیا۔ قرآن شریف میں سورۃ البقرہ آیت 143 تا145 اس بارہ میں نازل ہوئیں۔

ترجمہ: ضرور بیوقوف لوگ اعتراض کریں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس بات نے پھیر دیا جس پر کہ وہ تھے۔ تو کہہ دے کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہے وہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف راستہ دکھا دیتا ہے اور اے رسول ہم نے تیرے پہلے قبلہ کو تو صرف اس امتحان کے طور پر رکھا تھا کہ یہ ظاہر ہو جاوے کہ کون خدا کے رسول کی سچی اتباع اختیار کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے اور بے شک پہلا قبلہ طبائع پر ایک بوجھ رہا ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور اے رسول! ہم دیکھتے ہیں کہ تیری توجہ قبلہ کے معاملہ میں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہے کہ کب کعبتہ اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم اترتا ہے۔ لہذا اب ہم پھیر دیتے ہیں تجھے اس قبلہ کی طرف جو تجھے پسند ہے۔ پس اے رسول اپنے رخ کو مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور اے مسلمانو! جہاں کہیں بھی تم ہو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھا کرو اور جانو کہ ہر قوم کے لئے توجہ کی ایک خاص سمت ہوتی ہے اور گو ہم نے تمہاری ظاہری سمت کعبہ کو مقرر کیا ہے لیکن یاد رکھو تمہاری باطنی سمت نیکیوں کی طرف بڑھنا ہونی چاہئے۔

ان آیات قرآنی میں جہاں تحویل قبلہ کا حکم ہے وہاں قبلہ کی حکمت اور ضرورت بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے قوم میں ظاہری یکجہتی اور اتحاد فی الصورت قائم رہتے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آغاز میں اللہ تعالی نے ایک عرصہ تک مسلمانوں کو بیت المقدس کے قبلہ پر اس مصلحت سے قائم رکھا تھا کہ وہ مشرکین عرب کے لئے جن کی ساری توجہ کا مرکز کعبہ تھا بطور ایک امتحان کے رہے اور وہ اپنے اندر ایمان کی خاطر قربانی کرنے کی روح پیدا کریں۔ درحقیقت پہلا قبلہ مشرکین کے لئے بطور ایک امتحان کے تھا اور اس امتحان کا وقت ہجرت سے پہلے ہی مناسب تھا لیکن چونکہ مدینہ میں بھی مشرکین کہتے تھے اس لئے مدینہ کے ابتدائی ایام میں بھی وہ امتحان جاری رہا۔ مگر جب مشرکین مدینہ قریباً مفقود ہو گئے تو اس امتحان کی ضرورت نہ رہی اور تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو گیا اور اس حکم میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ مسلمان اپنے اصل قبلہ پر قائم ہو گئے اور دوسرے یہ کہ نیا قبلہ یہود کے لئے ایک امتحان بن گیا جیسا کہ پہلا قبلہ مشرکین کے لئے امتحان تھا۔ **(سیرت خاتم النّبیّین ﷺ)**